معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ساٹھ روپے فی شمارہ پانچ روپے

پاکستان میں سالانہ ایک سو پچاس روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پندرہ پونڈ یا چوبیس ڈالر

بحری ڈاک پانچ پونڈ یا آٹھ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

کمیشن ۲۵٪ ہوگا ــــــ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۵۵ ماہ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۹۵ء عدد ۴

مضامین

شذرات

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہندوستان کے مسلمانوں کا ایسا قیمتی سرمایہ ہے جس سے فقیری میں بھی وہ امیر ہیں، اسکے معاملے میں وہ بہت حساس بنتے ہیں، اسکی ہر اچھی خبر انکے لیے مسرت بخش اور جانفزا ہوتی ہے اور اسکی خبر بد سے انکی خلش و اضطراب بڑھ جاتا ہے اور وہ نہایت بے کیف ہو جاتے ہیں، اسکی عظمت و وقار اور اسکے اقلیتی کردار کے بقاء تحفظ کیلئے وہ اپنی جان کی بازی لگا چکے ہیں، اسیلئے حکومت کا یہ اہم فرض ہے کہ وہ ہندوستان کے سیکولرزم اور جمہوریت کے اس پُر فخر نشان کو اسکی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ قائم رکھے اور مسلمانوں کی امنگوں اور آرزوؤں کا خون کر کے انہیں اذیت و پریشانی میں نہ ڈالے وہاں خود اس سے وابستہ لوگوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سرسید کے اس گلشن کو ہرا بھرا رکھیں اسکے علمی و تعلیمی ماحول کو خراب کریں، اپنے معمولی اور حقیر فائدوں کیلیے اسکی تباہی و بربادی کا سامان نہ کریں کیونکہ اسکی تباہی میں خود انکی اور انکی قوم کی تباہی ہے، علمی و تعلیمی اداروں کی اصل روح انکے طلبہ اساتذہ اور انتظامیہ کے افراد ہوتے ہیں یہی انکی نیکی اور سلامتی کے ضامن ہوتے ہیں اور انہی کا اخلاص، نیک نیتی اور دردمندی اسکو ہر آنچ سے محفوظ رکھتی ہے۔

آزادی کے بعد مسلمانوں کے اس سب سے بڑے علمی و تعلیمی ادارہ کا ستارہ ایسا گردش میں آیا ہے کہ اسکا خارجی و داخلی انتشار ختم نہیں ہو رہا ہے لیکن اسکی خاص ذمہ داری یونیورسٹی کے طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ ہی پر عائد ہوتی ہے جو اسکے عظیم مفاد اور تقاضوں کو اپنے ذاتی مفاد اور حقیر خواہشات پر بھینٹ چڑھاتے رہتے ہیں۔ اور اسکے اغراض و مقاصد کے مقابلے میں اپنے اغراض و مقاصد ہی کو سب کچھ سمجھتے رہتے ہیں انکے اسی رویے اور باہمی کشمکش و اختلاف سے متعدد بار یونیورسٹی کا علمی و تعلیمی ماحول درہم برہم ہو چکا ہے اور وہ ایسے بحران میں مبتلا ہوئی کہ حکومت کو مداخلت کرنے کا موقع مل گیا جسکے بعد آیہ اِنَّ الْمُلُوْكَ کی تفسیر سامنے آگئی مفاد پسندوں اور خود غرضوں کے اسی گروہ نے قوم و ملت کے دردمند مخلص اور بے لوث افراد کو یہاں جمنے اور اپنے حوصلے کے مطابق کام کرنے نہیں دیا، اس نے نہ خود انکی اچھی اور بہتر صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا اور نہ دوسروں کو

فائدہ اٹھانے دیا اس طرح یونیورسٹی کی ساکھ خراب اور بہت خراب ہو گئی۔

پچھلے چار پانچ برسوں میں یونیورسٹی کے حالات اتنے بدتر اور افسوسناک ہے کہ الامان والحفیظ طلبہ و اساتذہ کے گروہوں کے تصادم اور زور آزمائی نے اس کو میدان کارزار میں تبدیل کر دیا تھا اسٹرائک ہنگامہ تشدد اور حرب و ضرب کے واقعات روزآنہ کا معمول ہو گئے تھے دن دھاڑے قتل ہونے لگے اور رشوت اور بدعنوانی کا دور دورہ رہا خوشامدی اور خود غرض لوگ ہر طرح کا استحصال کرنے لگے ایسے نازک اور پُر آشوب دور میں مسلم یونیورسٹی کی زمام کار جناب محمود الرحمٰن صاحب کو سپرد کی گئی ہے وہ ایک تجربہ کار آئی۔اے۔ایس ہیں جو حال ہی میں جموں و کشمیر کے ایڈیشنل ہوم سکریٹری کی حیثیت سے حضرت بل کا بحران حل کرنے میں اپنے تدبر کا ثبوت دے چکے ہیں، خاندانی وجاہت کے حامل اور جناب سید صدیق حسن صاحب مرحوم کے عزیز خاص ہیں، مرحوم اترپردیش کے ریونیو سکریٹری کی حیثیت سے بہت کامیاب اور نیک نام ہی نہ تھے بلکہ علمی و دینی حیثیت سے بھی ممتاز تھے انہیں قرآن مجید کے مطالعہ کا خاص شغف تھا دارالمصنفین سے انکی کتاب تدوین قرآن شائع ہوئی تھی اور انکے زیر اہتمام ندوۃ العلماء کے شیخ التفسیر مولانا محمد اویس نگرامی مرحوم کا درس قرآن ہوتا تھا جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اور سرکاری عہدیدار شریک ہوتے تھے ان خاندانی علمی دینی اور انتظامی روایات کا حامل ہونے کی بنا پر جناب محمود الرحمٰن سے قوم کو بڑی امیدیں وابستہ ہیں ہم مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے ان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ وہ یونیورسٹی کو بحران سے نکالنے میں کامیاب ہوں اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو گو حالات بہت پیچیدہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کسی کے اخلاص، محنت اور کوشش کو ضایع نہیں کرتا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

ہندوستان کی سرکاری زبان ہندی کا رواج اب مسلم گھرانوں میں بھی ہو گیا ہے اسلیے اس ملک کے عام لوگوں اور ان مسلمانوں کیلئے بھی جو ہندی ہی سے واقف ہیں قرآن مجید کے ہندی ترجمہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی اسی خیال سے جماعت اسلامی ہند نے جس کو غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف و اشاعت کیلئے خاص توجہ

حاصل ہے اپنے لٹریچر کے ساتھ قرآن مجید کا ہندی ترجمہ بھی شایع کیا ہے بعض غیر مسلم حضرات نے بھی یہ کام انجام دیا ہے اب جمعیۃ علمائے ہند نے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی کے مشہور اردو ترجمہ قرآن کا ہندی ترجمہ دو جلدوں میں شایع کیا ہے اس میں حسب موقع دوسرے ترجموں سے بھی مدد لی گئی ہے مگر تفسیری حواشی کے دقیق علمی مباحث اور لغت و نحو کے مسائل کو اس میں اسلئے شامل نہیں کیا گیا ہے کہ وہ عام لوگوں کی فہم سے بالاتر تھے ہندی ترجمہ میں اصطلاحی الفاظ جوں کے توں باقی رکھے گئے ہیں لیکن آخر میں انکی مختصر وضاحت اس عنوان کے تحت کی گئی ہے "قرآن شریف میں استعمال کیے گئے الفاظ کے معانی" حالانکہ اسطرح کی بعض اصطلاحات قرآن مجید کے بجائے تفسیروں کی ہیں مثلاً عمالقہ اور بعض کو اصطلاحی الفاظ کے بجائے معنی و مفہوم کے خانہ میں رکھا گیا ہے جیسے اگراہی (حرام) گراہی (حلال) ترجمہ میں بھی کہیں کہیں بے احتیاطی ہے لیکن اسکے متعلق اصل رائے وہ ماہرین دے سکتے ہیں جنکو اردو اور ہندی دونوں پر عبور ہے اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا فیض عام کرے اور مترجم و ناشر کو جزائے خیر دے یہ ترجمہ الجمعیۃ بکڈپو گلی قاسم جان دہلی ۶ سے چار سو روپے میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اتر پردیش کی موجودہ حکومت اردو کے معاملے میں اپنی پیش رو حکومتوں کی غلطیوں کی کسی حد تک تلافی کرنا چاہتی ہے اردو ٹیچروں اور مترجموں کا تقرر اس کا بڑا انقلابی اقدام ہے جسکو متعصب اور فرقہ پرست سرکاری عہدیداروں نے ناکام بنانے کی پوری کوشش کی مگر چ چلی شوخی نہ کچھ باد صبا کی اب حکومت نے الٰہ آباد بورڈ کے امتحانات منشی و مولوی کو ہائی اسکول اور عالم کو انٹرمیڈیٹ کے مساوی قرار دیا ہے جس کے لیے وہ مبارکباد کی مستحق ہے مگر اس کے اعلان میں بورڈ کے ان سے بڑے دو امتحانات کامل و فاضل کا ذکر نہ ہونا تعجب خیز ہے ہم اسکی توجہ آزاد دینی مدارس کی جانب بھی مبذول کرانا چاہتے ہیں جن کا تعلیمی معیار بورڈ سے ملحق مدارس سے زیادہ بہتر ہے جہاں میں اعلیٰ دینی تعلیم کے ساتھ جدید عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں اس لیے ان کی ڈگریوں کو بھی تسلیم کرکے حکومت کو اپنی معقولیت اور انصاف پسندی کا ثبوت دینا چاہیے تاکہ وہ بھی اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکیں

مقالات

ابو ہاشم خالد بن یزید اموی

از مولانا قاضی اطہر مبارک پوری

بنو امیہ کا پورا دورِ خلافت دینی علوم کی تدوین و اشاعت میں گذرا ہے، اموی خلفاء و امراء خود بھی اس میں حصہ لیتے تھے، ان میں بعض دینی علوم میں امامت کی حیثیت رکھتے تھے، جیسے عبد الملک بن مروان اور عمر بن عبد العزیز بن مروان وغیرہ اسی کے ساتھ عجمی علوم و افکار سے بچتے بچاتے تھے تاکہ ان کے غلط اثرات سے دینی و اسلامی عقائد و اعمال محفوظ رہیں، مگر اسی دور میں ایک اموی خلیفہ زادہ نے عجم و روم کے علوم و فنون سے دلچسپی لے کر فلسفہ، طب، نجوم، کیمیا، وغیرہ کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا کرایا، ان علوم کو حاصل کیا اور ان میں کتابیں لکھیں، خاص طور سے کیمیا میں شہرت حاصل کی، جس کی وجہ سے اس کے دوسرے اوصاف و کمالات پر پردہ پڑ گیا، یہ ابو ہاشم خالد بن یزید بن معاویہ بن ابو سفیان اموی دمشقی متوفی سنہ ۹۰ھ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو تابعین کے طبقہ ثالثہ میں ہیں، جس میں حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابن سیرینؒ وغیرہ کا شمار ہے اور محدثین کے نزدیک مشہور بالعلم والدین ثبت و صدوق راوی حدیث اور دوسرے کمالات کے حامل ہیں اس مقالہ میں ان ہی کا تذکرہ مقصود ہے۔

خلافت سے محرومی پر اپنوں اور بیگانوں کے طعنے کے باوجود خلیفہ سے وفاداری

یزید بن معاویہ نے وفات کے وقت اپنے بائیس ۲۲ سالہ صاحبزادے معاویہ بن یزید کو

خلیفہ مقرر کیا، وہ نیک و صالح آدمی تھے، بیمار تھے، دو ماہ سے کم مدت تک خلیفہ رہے مگر باہر نہیں نکلے اور انتقال کر گئے، ولی عہدی کے انتخاب کے بارے میں انہوں نے باپ دادا کے طریقہ کے خلاف یہ کہہ کر فیصلہ مسلمانوں پر چھوڑا کہ میں نے خلافت کی شیرینی نہیں چکھی تو اس کی تلخی کیوں برداشت کروں؟ اس کے بعد خلافت کے متعدد دعویدار اٹھ کھڑے ہوئے اور جنگ و جدال کی نوبت آئی، عبید اللہ بن زیاد نے ان حالات میں مروان بن حکم کو مشورہ دیا کہ تم خالد بن یزید کی ماں سے نکاح کرکے اپنی خلافت کا اعلان کر دو، اس وقت خالد اور ان کے بھائی عبد اللہ اپنے ماموں حسان بن مالک کے یہاں مقام جابیہ میں تھے، مروان نے حسان بن مالک کو بلا کر اپنی بیعت لینی چاہی مگر انہوں نے انکار کرکے لوگوں کو خالد بن یزید کی خلافت کی دعوت دی، اس پر روح بن زنباع نے کہا کہ فی الحال بڑے (مروان) کی بیعت کرو اور چھوٹے (خالد) کو بڑا ہونے دو، حسان بن مالک نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس شرط پر مروان کی بیعت کی کہ اس کے بعد خالد خلیفہ بنے گا مروان نے اس پر راضی ہو کر خالد کی ولی عہدی کا اقرار کیا، مگر بعد میں اپنے دونوں بیٹے عبد الملک اور عبد العزیز کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا، اس کے بعد خالد کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا، ایک دن خالد شہزادگی اور ولی عہدی کے زعم میں مروان کے تخت پر حسب عادت جا کر بیٹھنے لگے تو اس نے بری طرح جھڑک کر نہایت مغلظ گالی دی، خالد نے اپنی ماں سے ماجرا بیان کرکے کہا کہ تم نے مروان سے نکاح کرکے مجھے ذلیل کیا ہے، ماں نے کہا کہ تم کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرو میں انتقام لے لوں گی، اور جب مروان حرم سرا میں آیا تو خالد کی ماں نے باندیوں کی مدد سے یا زہر دیکر مروان کا کام تمام کر دیا، وہ نو ماہ سے زیادہ تخت خلافت پر نہیں بیٹھ سکا، اور عبد الملک بن مروان خلیفہ ہوئے تو خالد نے بے چون و چرا

بیعت کرکے پوری وفاداری کا ثبوت دیا اور ہمیشہ خیر خواہ بنے رہے، حالانکہ اگر وہ عبد الملک کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوتے تو انکے اعوان و انصار ساتھ دیتے مگر انکی صلح پسند طبیعت نے اس کو پسند نہیں کیا[1]

ایک موقع پر حجاج بن یوسف نے خالد کی برائی بیان کرکے کہا کہ خلافت خالد کے خاندان میں تھی مگر ان کی عاجزی اور بے کسی کی وجہ سے چھین لی گئی، اس کے جواب میں عمرو بن عتبہ بن ابو سفیان نے فوراً کہا:

"امیر! یہ بات نہ کہو خالد کے قدیم و جدید اوصاف و کمالات ہیں، اگر وہ خلافت حاصل کرنا چاہتے تو لشکر اور جد و جہد سے حاصل کر لیتے، مگر انہوں نے علم حاصل کرکے دوسرے تک پہونچایا"[2]

اسی طرح خالد کو موقع بہ موقع خلافت سے محرومی کا طعنہ سننا پڑا اور وہ خاموش رہے، چنانچہ ایک مرتبہ خلیفہ عبد الملک اور عمرو بن سعید بن عاص میں کسی معاملہ میں تند و تیز باتیں ہو رہی تھیں، خالد بن یزید بھی موجود تھے، انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا کہ تم امیر المومنین سے اس انداز میں باتیں نہ کرو، اس پر عمرو بن سعید نے خالد سے کہا:

"خاموش رہو، لوگوں نے تم سے تمہارا ملک سلب کر لیا، تمہاری ماں سے نکاح کیا اور تم پر غالب آگئے، یہ کینہ آمیز کیسی خیر خواہی ہے؟ تم شاعر کے اس قول کے مصداق ہو

کمرضعۃ اولاد اخری وضیعت بنیھا فلم ترقع بذلک مرقعا[3]

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۵، ص ۳۵-۳۴ و مروج الذہب ج ۳، ص ۹۴-۹۵ [2] الکامل فی اللغۃ والادب مبرد، ج ۱، ص ۲۰۵ [3] المصون فی الادب عسکری ص ۱۶۰۔

عمرو بن سعید کے بیٹے محمد بہ سلسلۂ جہاد شام گئے اور اپنی پھوپھی اور خالد کی زوجہ آمنہ بنت سعید بن عاص کے پاس آئے تو خالد نے کہا کہ حجاز سے جو شخص بھی آتا ہے مدینہ کے مقابلہ میں ہمارے یہاں شام میں رہنا پسند کرتا ہے، اس کے جواب میں محمد بن عمرو نے کہا:

"وہ لوگ ایسا کیوں نہ کریں ایک جماعت آب بردار اونٹنیوں پر یہاں آئی اور انہوں نے تمہاری ماں سے نکاح کیا، تمہارا ملک چھین لیا اور تم کو حدیث طلب کرنے اور کتابیں پڑھنے اور لاحاصل چیز یعنی کیمیا سازی کے لیے فارغ کر دیا"[1]

ایک مرتبہ خالد نے ایک قریشی شخص سے کہا کہ تم اپنی دنائت اور پستی کی وجہ سے قلیل پر راضی ہو گئے، تو اس قریشی نے خالد سے کہا کہ:

"مجھ سے زیادہ گیا گذرا وہ شخص ہے جس کی ماں سے نکاح کیا گیا اور اس سے خلافت سلب کر لی گئی اور وہ کیمیاگری کے لیے فارغ ہو گیا جس سے کچھ حاصل نہیں ہے"[2]

اس کے باوجود خالد بڑی فراخدلی سے خلیفہ کے وفادار رہے اور خلافت کے امور و معاملات میں تعاون کرتے رہے، حمص کے امیر رہ کر وہاں ایک شاندار مسجد تعمیر کی اور اس کی پوری تعمیر اپنے چار سو غلاموں سے کرا کر ان کو آزاد کر دیا، مروان کے دور میں زفر بن حارث کلابی نے مقام قرقیسیا میں خروج کیا تو ولیعہد عبد الملک لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لیے گیا، اس مہم میں خالد بھی شریک تھے[3]

خاندانی عزت و وقار کی حفاظت

البتہ اپنے اور اپنے خاندان کی عزت نفس پر حرف نہیں آنے دیا اور سختی سے دفاع کیا، ایک مرتبہ خالد کے بھائی عبد اللہ اسوار نے کہا کہ آج میرا ارادہ

۱؎ انساب الاشراف بلاذری القسم الثانی من الجزء الرابع طبع یروشلم، ص ۱، ۲؎ ایضاً ص ۶۹

۳؎ ایضاً ص ۷۹۔

ہے کہ ولید بن عبد الملک کو مار ڈالوں خالد نے کہا کہ امیر المومنین کے صاحبزادے اور مسلمانوں کے ولی عہد کے بارے میں تمہارا یہ ارادہ غلط ہے عبد اللہ نے بتایا کہ ولید نے میرے گھوڑوں سے کھلواڑ کر کے میری توہین کی ہے، خالد نے یہ سُنکر کہا کہ میں تمہاری طرف سے کافی ہوں، تم رنجیدہ نہ ہو، بھائی کو تسلی دے کر خالد عبد الملک کے پاس گئے، جہاں ولید پہلے سے موجود تھا، خالد نے کہا کہ امیر المومنین! آپ کے صاحبزادے اور مسلمانوں کے ولی عہد ولید کے چچا عبد اللہ بن یزید کے گھوڑے اس کے سامنے سے گذرے تو اس نے ان کو چھیڑ کر اپنے چچا کی توہین کی ہے، عبد الملک نے تھوڑی دیر خاموشی کے بعد اس شکایت کے جواب میں یہ آیت سُنائی:

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً
أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ
أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ

بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور اسکے معزز لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور اسی طرح دوسرے کام کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں خالد نے برجستہ یہ آیت پڑھی:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً
أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا
فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا
تَدْمِيرًا۔

جب ہم کسی بستی کی تباہی کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے مالداروں اور اترانے والوں کو زیادہ کر دیتے ہیں اور وہ فسق و فجور کرتے ہیں پس اس بستی پر حجت پوری ہو جاتی ہے اور ہم تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد عبد الملک نے خالد سے کہا کہ تم عبد اللہ کی توہین کی شکایت مجھ سے کر رہے ہو؟ وہ ایک مرتبہ میرے پاس آیا تو اثنائے گفتگو میں لحن اور زبان کی غلطی سے نہیں بچ سکا، خالد نے کہا کہ کیا آپ کو اپنے صاحبزادے ولید کی زبان دانی پر اعتماد ہے؟ عبد الملک نے کہا کہ اگر ولید زبان میں غلطی کرتا ہے تو اس کا بھائی سلیمان ہے، اس پر خالد نے کہا کہ اگر عبد اللہ زبان میں غلطی کرتا ہے تو اس کا بھائی خالد ہے، یہ سُنکر صاحبزادے ولید سے رہا نہیں گیا اور کہا:

اسکت یاخالد فو اللّٰہ ما تعد فی العیر و لا فی النفیر۔
خالد! خاموش رہو، تمہارا شمار نہ عیر (قافلہ) میں ہے اور نہ نفیر (لشکر) میں ہے۔

یہ جملہ سُنکر خالد نے عبد الملک کو مخاطب کرکے کہا کہ سُن رہے ہیں اور ولید کو مخاطب کرکے کہا:

ویحک من العیر والنفیر غیری جدی ابو سفیان صاحب العیر، وجدی عتبۃ بن ربیعۃ صاحب النفیر
تم پر افسوس ہے، میرے علاوہ کون عیر اور نفیر ہے؟ میرے دادا ابو سفیان صاحب عیر ہیں اور میرے نانا عتبہ بن ربیعہ صاحب نفیر ہیں،

ولکن لو قلت غنیمات وحبیلات والطائف ورحم اللّٰہ عثمان لقلنا صدقت[1]
اگر تم غنیمات، جبیلات، طائف اور رحم اللہ عثمان کہتے تو البتہ ہم کہتے کہ تم نے سچ کہا

اس کے بعد عبد الملک نے ولید کو عبد اللہ بن یزید کے ساتھ گستاخی کرنے سے منع کر دیا۔

---

[1] الکامل فی اللغۃ والادب ج ۱ ص ۱۹۰ و ص ۱۹۷، وانساب الاشراف، ص ۷۸۔

ولید اور خالد کی ان باتوں میں دو اہم واقعات کی پوری تاریخ ہے، "لا فی العیر ولا فی النفیر" کا جملہ مثل کے طور پر اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس میں شر اور خیر دونوں نہ ہوں، ایک شاعر کہتا ہے:

لست فی العیر یوم یحدون با لعیر ولا فی النفیر یوم النفیر۔

اس میں غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے جب خالد کا پردادا ابو سفیان ملک شام سے تجارتی قافلہ (عیر) لیکر واپس آرہا تھا اور مسلمانوں نے روکا تو اس کی مدد کے لیے ان کا پرنانا عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس مکہ سے لشکر (نفیر) لے کر پردادا کے لیے پہونچا تھا اور خالد کے بیان کردہ دوسرے واقعہ میں ولید کے پردادا الحکم بن ابو العاص بن امیہ طرید رسول اللہ کی طرف اشارہ ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے شہر بدر کرکے طائف بھیجدیا تھا جہاں وہ بکریاں (غنیمات) چراتے تھے اور انگور کے باغ (جبیلہ) میں گذر بسر کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں ان کو طائف سے مدینہ بلا لیا تھا۔

بنو ہاشم، بنو امیہ اور آل زبیر میں اتحاد و محبت کے لیے کوشش

بنو ہاشم، بنو امیہ اور آل زبیر تینوں شاخیں اوپر جاکر قریش میں مل جاتی ہیں، مگر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ تینوں قبائل میں باہمی بغض و عداوت پیدا ہوگئی اور ایک دوسرے کے دشمن بن گئے، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف کے نتیجہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین کی نوبت آئی، یزید بن معاویہ کے دور میں حضرت حسین بن علیؓ کربلا میں شہید ہوئے، بعد میں بنو امیہ کو اقتدار حاصل ہوا اور بنو ہاشم اپنی کامیابی کے لیے جدوجہد کرتے رہے، دوسری طرف یزید بن معاویہ کے مقابلہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت قائم

کی، جس کا انجام ان کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا، ان باتوں کی وجہ سے ایک ہی
نسل کے ان خانوادوں میں عداوت اور نفرت کی آگ سُلگ رہی تھی، خالد بن یزید نے
ان حالات میں ان کے اندر باہمی میل محبت کی راہ پیدا کی اور تینوں قبیلوں میں شادیاں کرکے
ان میں نئی رشتہ داریاں قائم کیں اپنی بیویوں کی تعریف و توصیف کے سلسلہ میں ان کے
خاندانوں اور قبیلوں کے فضائل و مناقب میں اشعار کہے، باہمی اتحاد و اتفاق کے بارے میں
ان کے احساسات و جذبات کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوتا ہے۔

حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب پر زور ڈالا کہ وہ اپنی
بیٹی ام کلثوم سے اس کا نکاح کر دیں اور انہوں نے نکاح کر دیا مگر رخصتی کے لیے وقت چاہا
اس کے بعد علٰحدگی کے بارے میں سوچنے لگے، خیال آیا کہ یہ کام خالد سے ہو سکتا ہے اور
ان کو لکھکر اپنے ارادہ کو ظاہر کیا، یہ خط رات کو خالد کو ملا اور وہ اسی وقت خلیفہ عبدالملک
کے پاس گئے، اس نے ناوقت آنے کا سبب معلوم کیا تو خالد نے کہا کہ ایک اہم معاملہ ہے،
مجھے خطرہ ہوا کہ اس میں تاخیر کرنے سے کوئی بات نہ ہو جائے جس سے میں آپ کی بیعت
کا حق ادا نہ کر سکوں، عبدالملک کے پوچھنے پر کہا کہ آل زبیر اور آل ابو سفیان کے مابین
جس قدر بغض و عداوت ہے، آپ کے علم میں کیا کسی دو خاندانوں میں اتنی عداوت ہے۔
عبدالملک نے کہا کہ میرے علم میں ایسی دشمنی کسی دو خاندانوں میں نہیں ہے، یہ سُن کر
خالد نے کہا:

فان تزویجی الی آل الزبیر — آل زبیر میں میرے نکاح نے میرے
حلل ما کان بھم فی قلبی — دل سے غبار کو ختم کر دیا جو انکے بارے
فما اھل بیت احب الی منھم — میں تھا، اب ان سے زیادہ محبوب

میرے نزدیک کوئی خاندان نہیں ہے،

عبدالملک نے کہا کہ ہاں یہ بات تو ہے، اس پر خالد نے کہا کہ پھر آپ نے حجاج کو
کیسے اجازت دی کہ وہ بنی ہاشم میں نکاح کرے؟ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ لوگ بنی ہاشم
کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور کیا کہا جاتا ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ حجاج کون اور کیا
ہیں؟ اور وہ آپ کے زیر اقتدار اور ماتحتی میں ہے، اس کی کیا وقعت و حیثیت ہے، عبدالملک
نے یہ باتیں سُنکر جزاک اللہ کہا اور سختی کے ساتھ حجاج کو لکھا کہ عبداللہ بن جعفر کی لڑکی کو
فوراً طلاق دے، چنانچہ اس نے اسی وقت طلاق دیدی۔

اس کے بعد کچھ لوگ حجاج کی دلجوئی کے لیے آئے، ان میں عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان
بھی تھے، حجاج نے ان کو دیکھ کر خالد کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا اور کہا کہ خلافت اسکے
خاندان میں تھی مگر اس کی کمزوری کی وجہ سے چھین لی گئی، یہ سن کر عمرو بن عتبہ سے
رہا نہیں گیا اور کہا کہ امیر! یہ بات نہ کہو اس لیے کہ خالد کے ایسے قدیم و جدید کارنامے
ہیں جن میں اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے، اگر وہ خلافت پر قبضہ کرنا چاہتا تو
اپنے لاؤلشکر اور کوشش سے قبضہ کر سکتا تھا مگر اس نے علم حاصل کرکے دوسروں
تک پہونچایا۔[1]

جس سال حضرت عبداللہ بن زبیر کو حجاج نے قتل کیا تھا خالد بن یزید حج کو
گئے اور حضرت زبیر بن عوام کی صاحبزادی رملہ کو نکاح کا پیغام بھیجا، جب اس کی خبر
حجاج کو ہوئی تو اس نے اپنے حاجب کے ذریعہ کہلوایا کہ میرا گمان نہیں تھا کہ تم میرے
مشورہ کے بغیر آل زبیر میں نکاح کا پیغام بھیجو گے، میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا کہ وہ

---

[1] الکامل ج ۱، ص ۲۰۵۔

تمہارے کفو نہیں ہیں، انہوں نے تمہارے باپ سے خلافت کے بارے میں جنگ کی ہے اور ان کی ہر طرح کی برائی بیان کی ہے۔ حجاج کا یہ پیغام سن کر خالد نے کچھ دیر غور کرکے حاجب سے کہا:

لوكانت الرسل تعاقب لقطعتك	اگر قاصدوں کو سزا دی جاتی تو میں تم
آراباثم القيتك على باب صاحبك	کو ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر تمہارے مالک
قل له ما كنت اظن ان الامر	کے دروازہ پر ڈال دیتا، اس سے کہنا
يبلغ بك الى ان تواهل نفسك لان	کہ میرا گمان نہیں تھا کہ تم اس حد تک
اشاورك فى مناكحة قريش قلت	بڑھ جاؤ گے کہ اپنے کو اس قابل سمجھو گے
ليس القوم لك باكفاء فقاتلك	کہ میں تم سے قریش میں نکاح کے بارے
الله يا ابن ام الحجاج تزوج	میں مشورہ کروں، تم نے کہا ہے کہ
رسول الله صلى الله عليه	قوم قریش تمہارے کفو نہیں ہے اے
وسلم خديجة بنت خويلد	حجاج کی ماں کے بیٹے! اللہ تمہارا ناس
وتزوج العوام صفية بنت	کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عبد المطلب ولا تراهم اكفاء	نے خدیجہ بنت خویلد سے ازدواجی رشتہ
لآل ابى سفيان وبنى امية	قائم فرمایا اور (زبیر کے والد) عوام
واما قولك قاتلوا اباك على الخلافة	بن خویلد نے صفیہ بنت عبد المطلب
فهى قريش تقارع بعضها	سے شادی کی اور تم ان کو آل ابوسفیان
بعضا حتى اذا اقر الله الامر	اور بنو امیہ کا کفو نہیں سمجھتے ہو اور
مقره عادت الى احلامها	تمہارا یہ کہنا کہ آل زبیر نے تمہارے باپ سے
وفضلها[1]	جنگ کیا ہے، تو قریش کے بعض بعض
	سے لڑتے بھڑتے رہے، یہاں تک کہ جب
	اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح راہ پر لگا دیا تو
	اپنے منصوبے اور فضل و کمال کی طرف
	لوٹ آئے۔

حاجب نے واپس جاکر حجاج کو خالد کی تمام باتیں سنا دیں اور خالد نے رملہ بنت زبیر سے نکاح کر لیا، ان دونوں واقعات سے خالد کی اصابت رائے، دوراندیشی اور آل زبیر، بنو ہاشم، بنو امیہ کے درمیان تلخی کم کرنے اور ان میں میل محبت پیدا کرنے کی تدبیر و ترکیب معلوم ہوتی ہے

ان قبائل میں رشتۂ مناکحت کی افادیت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان قبائل کی بیویوں کا اور ان کے بارے میں خالد کے مدحیہ اشعار کا تذکرہ کر دیا جائے جس سے ان کی اس جدوجہد پر مزید روشنی پڑتی ہے، ابو العباس مبرد نحوی نے لکھا ہے:

تزوج خالد بن يزيد بن معاوية	خالد بن یزید بن معاویہ نے ایسی عورت
نساء هن اشرف من هن	سے نکاح کیا جو اپنے زمانہ کی عورتوں میں
منه.[2]	سب سے زیادہ شریف تھیں۔

ان ہی شریف نجیب عورتوں میں رملہ بنت زبیر بن عوام بھی ہیں، خالد کے اس حسن انتخاب پر بعض شعراء نے خلیفہ عبد الملک کو بھڑکایا اور یہ اشعار کہے:

عليك امير المومنين بخالد	ففى خالد عما تحب صدود
امیر المومنین! خالد کی خبر لیں	جسکو آپ پسند کرتے ہیں خالد کی ذات اس میں رکاوٹ ہے

[1] انساب الاشراف، ص ۶۶ و ص ۷۰، [2] الکامل ج ۱ ص ۲۰۳۔

اذا ما نظرنا فی مناکح خالد — عرفنا الذی ینوی واین یرید

جب ہم خالد کے نکاحوں پر نظر ڈالتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ اسکی کیا نیت ہے اور کہاں کا ارادہ ہے

خالد کوتاہ قد تھے، رملہ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو آل زبیر نے ان کی کوتاہ قامتی کی بات کی، خالد کو اس کی خبر ملی تو چند کوتاہ قد لوگوں کو جمع کیا اور لمبی ٹوپی سر پر رکھی پھر ان سب کی قطار میں چلے، یہ منظر دیکھ کر رملہ اور اہل خاندان راضی ہوگئے۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد ظریف الطبع اور خوشدل آدمی تھے، رملہ بڑی عاقلہ فاضلہ اور بلند حوصلہ عورت تھی، اس سے پہلے عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام کے نکاح میں تھی، خالد نے اس کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں:

تجول خلاخیل النساء ولا اری — لرملة خلخالا یجول ولا قلبا

عورتوں کے پازیب ان کے پیروں میں گردش کرتے ہیں اور میں رملہ کے لیے نہ پازیب دیکھتا ہوں نہ ہی کنگن۔

فلا تکثروا فیها الضجاج فاننی — تخیرتها منهم زبیریة قلبا

اس بات پر تم لوگ اس کے بارے میں زیادہ شور و غوغا نہ کرو کیونکہ میں نے اس کو آل زبیر سے زبیری القلب ہونے کی بنا پر منتخب کیا ہے۔

احب بنی العوام طرا لحبها — ومن اجلها احببت اخوالها کلبا

میں رملہ کی محبت میں تمام آل عوام سے محبت رکھتا ہوں اور اسی کی وجہ سے اس کے ماموؤں یعنی بنو کلب سے محبت کرتا ہوں۔

مبرد نے ان اشعار کے بعد وزید فیها (اور ان میں اضافہ کیا گیا) لکھ کر یہ شعر نقل کیا ہے:

فان تسلمی اسلم وان تتنصری — یُعلّق رجال بین اعینهم صلبا

---

[1] انساب الاشراف، ص ۶۹۔

(اگر تو اسلام قبول کرے گی تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا اور اگر تو نصرانی بنے گی تو لوگ اپنی آنکھوں کے درمیان صلیب لٹکائیں گے۔)

اور جب عبدالملک کو یہ شعر سنایا گیا تو اس نے خالد سے کہا کہ کیا یہ بیت تم نے کہی ہے؟ خالد نے کہا کہ امیر المومنین! اس کے کہنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے اور بلاذری نے اس آخری بیت کو بھی خالد کے اشعار میں لکھا ہے اور ان کی ترتیب میں فرق کے ساتھ بعض مترادف الفاظ لکھے ہیں[1] اور ابن قتیبہ نے صرف اوپر کے دو شعر دیے ہیں[2]۔

خالد نے حضرت جعفر طیارؓ کی پوتی حضرت عبداللہ کی صاحبزادی ام کلثوم سے بھی نکاح کیا، اس سے پہلے قاسم بن محمد بن جعفر نے ان سے نکاح کیا تھا اور حجاج بن یوسف نے بھی نکاح کیا مگر طلاق دینی پڑی، اس کے بعد خالد کے نکاح میں آئی تھیں[3] اور انہوں نے اس کے بارے میں یہ اشعار کہے:

منافیة غراء جادت بودها — لعبد منافی اغر مشهر

(ام کلثوم کے پردادا ابو طالب کا نام عبد مناف ہے) وہ عبد مناف کے خاندان کی چمک دمک والی عورت ہے جو مشہور منافی بندے (عبداللہ) کو محبوب ہے۔

مطهرة بین النبی محمد — وبین الشهید ذی الجناحین جعفر

ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسری طرف حضرت جعفر ذوالجناحین شہید ہیں اور ان دونوں کے درمیان طاہرہ مطہرہ ہے۔

عبداللہ بن جعفر نے یہ شعر سنکر کہا کہ خالد نے لعبد کہہ کر کوئی مدح نہیں کی، اگر اس کی جگہ لقرم منافی کہتے تو خوب ہوتا، ایک روایت میں ہے کہ یہ اشعار بھی خالد

---

[1] الکامل ج ۱ ص ۲۰۴ و ۲۰۵ و انساب الاشراف ص ۶۶ و ۶۷، [2] المعارف ص ۹، [3] المحبر ص ۴۳۹۔

نے کہے ہیں۔

انتما بعادهم البغال وشبهها   عفیفة اخلاق کریمة عنصر

اس کو ہمارے یہاں اعلیٰ قسم کے خوش رنگ خچر لائے   وہ پاکیزہ اخلاق اور شریف النسب ہے

مقابلة بین النبی محمد   وبین علی ذی الفخار وجعفر[۱]

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ و حضرت جعفرؓ کے درمیان ہے۔

خالد نے تیسرا نکاح آمنہ بنت سعید بن عاص بن امیہ سے کیا، اس کی ماں حضرت عثمان کی صاحبزادی تھیں، پھر خالد نے طلاق دیدی تو دوسروں نے اس سے نکاح کیا۔ آخر میں ولید بن عبدالملک کے نکاح میں آئی۔ اس پر خالد نے کہا:

فتاة ابوها ذو العصابة وابنه   وعثمان ما اکفاءها بکثیر

فان تفتلتها والخلافة تنقلب   باکرم علقے منبر وسریر

اس شعر میں ذو العصابہ (عمامہ والے) سے سعید بن عاص مراد ہیں، جب وہ عمامہ باندھتے تھے تو قبیلہ قریش کا کوئی شخص ان کی تعظیم و تکریم میں عمامہ نہیں باندھتا تھا، عبدالملک کے انتقال کے بعد ایک سوکن نے ولید سے کہا کہ اس حادثہ پر تمام باندیوں نے گریہ و بکا کیا مگر آمنہ خاموش رہی، ولید نے آمنہ سے اس کی وجہ معلوم کی تو اس نے کہا کہ کیا میں یہ کہتی کہ کاش کہ وہ زندہ رہتے اور جس طرح میرے بھائی عمرو بن سعید کو قتل کیا ہے، دوسرے بھائی کو بھی قتل کر دیں[۲]

خالد نے چوتھا نکاح خلیفہ عبدالملک کی صاحبزادی عائشہ سے کیا تھا[۳]

خالد کے ذاتی اوصاف | خالد امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے انکے ایک بھائی عبداللہ اسوار کے

۱؎ انساب الاشراف ص ۶۶ ۲؎ الکامل مبرد ج ۱ ص ۲۰۳ و ۲۰۴ و المحبر ص ۴۵۵ ۳؎ المعارف ص ۱۵۰، المحبر ص ۵۹۔

لقب سے مشہور تھے، وہ شہسوار تھے اور ان کو گھوڑوں کا شوق تھا، دوسرے بھائی عبدالرحمٰن اپنے زمانہ کے مشہور عابد و زاہد اور بزرگ آدمی تھے، تیسرے بھائی خلیفہ معاویہ بن یزید بھی جوان صالح تھے، خالد اپنے اور اپنے بھائیوں کے امور و معاملات میں عزت نفس اور وقار کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے، رشتۂ مناکحت معزز اور شریف خانوادوں میں قائم کرتے تھے، جود و سخا میں کسی امیر کبیر سے کم نہیں تھے، علمی و دینی زندگی بسر کرتے تھے، حمص کی امارت کے زمانہ میں وہاں شاندار مسجد تعمیر کی، جس میں ان کے چار سو غلام کام کرتے تھے، ان سب کو آزاد کر دیا[۱]

ایک مرتبہ لوگوں نے خالد سے کہا کہ تم کیمیا گری میں زیادہ مشغول رہتے ہو، انہوں نے اس کی وجہ بیان کی کہ کیمیا گری سے میرا مقصد اپنے بھائیوں اور دوستوں کو نوازنا اور دوسروں سے بے نیاز کرنا ہے[۲] خالد اپنے والد کے ننھیال بنو کلب خاص طور سے انکے ماموؤں کی مدد ہر معاملہ میں کرتے تھے اور جب کبھی بنو قیس اور بنو حرب میں جنگ و جدال کی باری آتی تو بنو حرب کے مقابلہ میں بنو قیس کا ساتھ دیتے تھے، جن کا تعلق بنو کلب سے تھا[۳]

جامعیت و علمی تبحر | خالد مختلف اوصاف و کمالات کے جامع تھے، مختلف علوم و فنون میں قریش کے سب سے بڑے عالم تھے اور حدیث و دین کے علم کے ساتھ کیمیا، نجوم، طب اور فلسفہ میں پوری بصیرت رکھتے تھے زبان آوری، خطابت، فصاحت، بلاغت، شاعری، اصابت رائے، ہمت و حوصلہ اور عزیمت کے ساتھ سخاوت میں شہرت کے مالک تھے۔ ان کے تذکرہ نگاروں نے ان اوصاف کا ذکر کیا ہے، ابن قتیبہ نے لکھا ہے:

۱؎ انساب الاشراف، ص ۶۹ ۲؎ الفہرست، ص ۴۹۷ ۳؎ انساب الاشراف ص ۶۹۔

وکان من اعلم قریش بفنون العلم وکان یقول الشعر[1]

وہ مختلف علوم و فنون میں قریش کے سب سے بڑے عالم تھے اور شاعری بھی کرتے تھے۔

ابو الحسن بلاذری کا بیان ہے:

فکان شاعراً ینظر فی الکیمیاء والنجوم وغیرہما من العلوم[2]

وہ شاعر تھے، کیمیاء، نجوم اور دوسرے علوم میں نظر رکھتے تھے۔

ابن ندیم نے تصریح کی ہے:

وکان خطیبا، شاعراً، فصیحاً، حازما ذا رائٍ .... وکان جواداً[3]

وہ خطیب، شاعر، فصیح، باہمت، صاحب رائے اور سخی بھی تھے۔

حافظ ابن حجر نے زبیر بن بکار کا قول نقل کیا ہے:

کان یوصف بالعلم ویقول الشعر[4]

وہ علم سے متصف تھے اور شعر کہتے تھے۔

امام ذہبی نے لکھا ہے:

وکان موصوفاً بالعلم والدین والعقل[5]

وہ علم، دینداری اور عقل میں مشہور تھے۔

ائمہ تاریخ اور ائمہ حدیث نے خالد بن یزید کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے انکی جامعیت و علمیت کا بخوبی علم ہوتا ہے۔

[1] المعارف ص ۳۵۲ [2] انساب الاشراف ص ۶۵ [3] الفہرست ص ۴۹۷ [4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۹ [5] العبر ج ۱ ص ۱۰۵۔

کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے کا شوق

ان مناقب و فضائل کے علاوہ خالد میں خاص صفت یہ تھی کہ ان کو کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے کا شوق تھا اور وہ اس کے لیے خاص اہتمام کرتے تھے، اس بارے میں وہ اپنے معاصرین میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

ابو احمد عسکری نے لکھا ہے:

إنّه کان مولعا بالکتب[1]

وہ کتابوں کے بے حد شوقین تھے۔

اس سلسلہ میں انہوں نے اپنا محاسبہ کرکے کہا:

عنیت بجمع الکتب فما انا من العلماء ولا من الجہال[2]

میں نے کتابیں جمع کرنے کا اہتمام کیا تو میں علماء میں نہ ہوا اور نہ جہلاء میں ہوا۔

خالد کا یہ جملہ خاص طور سے اہل علم کی توجہ کا مستحق ہے۔

خالد محدثین کے زمرہ میں

خالد بن یزید طب، نجوم، کیمیاء میں شغف رکھنے کے باوجود دینی علوم خاص طور سے حدیث کی تحصیل سے غافل نہیں رہے، محدثین نے ان کو شام کے تابعین کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے، اسی طبقہ میں امام حسن بصریؒ اور امام محمد بن سیرین بصریؒ جیسے حضرات شامل ہیں، بلکہ امام ابو حاتم رازیؒ نے ان کو تابعینِ شام کے طبقہ ثانیہ سے بتایا ہے[3]

حدیث کی روایت و تحصیل میں ان کو ابتدا ہی سے رغبت رہی ہے اور وہ اپنے حلقہ میں اس کے لیے مشہور تھے، ایک مرتبہ ان کی بیوی آمنہ بنت سعید کے بھتیجے

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۲۹ [2] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۴۲ [3] تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۲۰ و الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱ ص ۳۵۷۔

محمد بن عمر بن سعید نے طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا:

سلبوا ملکک و فرغوک لطلب	بنو امیہ نے تمہارے ملک کو سلب
الحدیث و قراءۃ الکتب[1]	کرکے تم کو حدیث کی طلب اور کتابوں
	کے پڑھنے کے لیے فارغ کر دیا۔

اسی طرح ان کے غلام نے ان سے ایک بات کہی تو انہوں نے کہا:

ویحک انی عنیت بطلب	میں نے حدیث اور علم دین کی طلب
الاحادیث والعلم[2]	کا اہتمام کیا ہے۔

ایک موقع پر حجاج بن یوسف نے خالد بن یزید کی خلافت میں ناکامی کی بات کی تو عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان نے ان کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے کہا کہ وہ چاہتے تو خلافت حاصل کر لیتے:

لکنہ علم علماً فسلم الی	مگر انہوں نے علم حاصل کرکے اہل علم
اھلہ[3]	تک پہونچایا۔

اس دور میں علم سے علم دین، خاص طور سے علم حدیث مراد ہوتا تھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد حدیث کی باقاعدہ روایت کرتے تھے اور ان کے تلامذہ ان سے حدیث حاصل کرتے تھے، امام سعید بن عبدالعزیز امام زہری کے شاگرد ہیں، ان کو ملک شام میں وہی مقام و مرتبہ حاصل تھا جو امام مالک کو مدینہ میں حاصل تھا، ان کا بیان ہے:

ان خالد بن یزید بن معاویۃ	خالد بن یزید بن معاویہ جب حدیث

۱؎ انساب الاشراف ص ۱۰، ۲؎ ایضاً ۳؎ الکامل مبرد ج ۱ ص ۲۰۵۔

کان اذا لم یجد احداً	بیان کرنے کے لیے کسی کو نہیں پاتے
یحدثہ یحدث جواریہ	تھے تو اپنی باندیوں سے بیان کرتے
ثم یقول انی لاعلم انکن	تھے اور کہتے تھے کہ میں جانتا ہوں
لستن باھلہ یرید	تم سب اس کی اہل نہیں ہو، اس سے
بذالک الحفظ[1]	ان کا مقصد حدیث کو یاد کرنا ہوتا تھا۔

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث کے حفظ و اتقان کا کس قدر اہتمام کرتے تھے۔

حدیث کے اساتذہ و تلامذہ اور حدیث میں انکا مقام

خالد نے حدیث کی روایت اپنے والد یزید بن معاویہ اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے کی، محدثین کے نزدیک یزید سے کوئی قابل اعتماد حدیث مروی نہیں ہے، حضرت دحیہ کلبی آخری عمر میں دمشق کے مقام مزہ میں مقیم تھے اور خالد نے یہیں ان سے حدیث کی روایت کی اور خالد سے روایت کرنے والوں میں جلیل القدر تابعین اور ائمہ حدیث ہیں، حافظ ابن حجر نے ان میں امام محمد بن شہاب زہری، امام رجاء بن حیوۃ، امام علی بن رباح، امام عبیداللہ بن عباس یا ان کے صاحبزادے عباس بن عبیداللہ بن عباس وغیرہ کے نام کی تصریح کی ہے[2] اور امام بخاری نے امام زہری اور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا ذکر کیا ہے[3] اور ابن ابو حاتم رازی نے صرف امام زہری کا نام درج کیا ہے[4]

۱؎ جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۱۱ ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۲۸ ۳؎ تاریخ کبیر ج ۲، قسم ۱ ص ۱۶۶ ۴؎ الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱، ص ۳۵۷۔

امام بخاریؒ اور امام ابن ابو حاتم رازی نے خالد کے تذکرہ میں "ھو اخو عبد الرحمٰن ابن یزید" (وہ عبد الرحمٰن بن یزید کے بھائی ہیں)، لکھا ہے، اس لیے کہ یزید کی اولاد میں عبد الرحمٰن من ازھد الناس و افضلھم تھے[1] اور خالد ان صفات میں ان سے قریب تھے، نیز خالد بن یزید کے نام کے تقریباً پندرہ راویانِ حدیث ہیں اس لیے اس جملہ سے بخوبی امتیاز ہو جاتا ہے۔

ابن حبان نے خالد بن یزید کو ثقات میں لکھا ہے، ابن حجر نے صدوق مذکور بالعلم من الثالثۃ کی تصریح کی ہے اور ذہبی نے علم و دین اور عقل سے متصف بیان کیا ہے۔

شعر و شاعری | خالد بن یزید کے تذکرہ نگاروں نے ان کی شاعری کا ذکر خاص طور سے کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دور کے مشہور شعراء میں تھے، ابن ندیم نے ان کے پانچ سو ورق یعنی ہزار صفحات اشعار دیکھے ہیں جو صرف کیمیا سازی سے متعلق تھے، ان کے اشعار عربی زبان و ادب کے اعلیٰ معیار کے حامل ہوتے تھے، چند اشعار پہلے درج کیے جا چکے ہیں، نمونہ کے طور پر مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اری زمناً ثعالبہ قیام　　　علی الاشراف تخطر کالاسود

میں اس زمانہ کی لومڑیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ شرفاء پر مسلط ہو کر شیروں کی طرح خطرناک ہو رہی ہیں۔

وکان الثعلب الضباح یرضی　　　بمایرث الکلاب من الصیود

[1] جمہرۃ انساب العرب، ص ۱۱۲۔

حالانکہ بھوک سے بولنے والی لومڑی کتے کے شکار سے جو کچھ پا جاتی تھی اس پر راضی رہتی تھی۔

سرحت سفاھتی وارحت حلمی　　　وفی علی تحملی اعتراض

میں نے اپنی ذلت و رسوائی سے بالاتر ہو کر اپنے صبر و حلم کو راحت دیدی ہے اور میرے صبر و تحمل پر اعتراض ہے۔

علی انّی اجیب اذا دعتنی　　　الی حاجاتھا الحدق المراض

اس کے باوجود جب چشم بیمار والیاں اپنی ضرورتوں کے لیے مجھے بلاتی ہیں تو میں جواب دیتا ہوں[1]۔

الی ارقت لعارض متألق　　　لیل التمام و لیتہ لم یولق

طویل رات میں بجلی سے چمکنے والے بادل کی وجہ سے میری نیند اچٹ گئی، اے کاش بجلی نہ چمکتی۔

ما ان نیام ولا ینیم کانہ　　　بلقاء تضرب عن فلو ابلق

بادل میں بجلی کی چمک کا یہ منظر نہ خود سوتا ہے اور نہ مجھے سونے دیتا ہے گویا وہ ابلق اونٹنی ہے جو اپنے ابلق بچہ سے بے پروا ہے[2]

خالد کی شاعری کے سلسلہ میں ایک شعری تنقید ملاحظہ ہو جس کا ذکر مجملاً پہلے آچکا ہے، خالد نے حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ کی صاحبزادی سے نکاح کر کے اس کی مدح میں اشعار کہے جس میں یہ مصرع تھا "نعبد منافی اغر مشھر" اس کو سن کر حضرت عبد اللہ بن جعفر نے کہا:

مانتی فی قولہ لعبد شیئا　　　عبد کا لفظ استعمال کر کے خالد نے
لو قال لقرم منافی[3]　　　تعریف نہیں کی، اگر وہ قرم کا لفظ

[1] انساب الاشراف، ص ۶۹ [2] البرصان والعرجان والعمیان والحولان، جاحظ ص ۲۷۰، ۲۸ [3] انساب الاشراف، ص ۶۶۔

استعمال کرتے تو خوب ہوتا۔

عبد کا لفظ بندے اور غلام کے لیے بولا جاتا ہے اس میں غلامی کی طرف ایہام تھا اور قرم کا لفظ سید و رئیس کے لیے استعمال ہوتا ہے' اس میں مدح و توصیف ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ و تابعین کا شعری ذوق کس قدر بلند اور ستھرا تھا اور وہ الفاظ کے برمحل استعمال کا کس قدر اہتمام کرتے تھے،

خالد نہایت فصیح و بلیغ خطیب بھی تھے اور انکا کلام زبان و ادب کی لطافتوں سے معمور اور حسین ہوتا تھا، اس پر انکو ناز بھی تھا، ان کے خطبات' محاضرات و ادب کی کتابوں میں ہوں گے، ویسے وہ طویل الصمت یعنی خاموش آدمی تھے، جیسا کہ بلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت کم بولتے تھے، خلیفہ عبد الملک کا واقعہ گذر چکا ہے جس میں اس نے خالد کے بھائی عبد اللہ کے لحن اور لسانی غلطی نکالی تو خالد نے کہا کہ آپ کا صاحبزادہ ولید اس بارے میں کب قابل اعتماد ہے اس پر عبد الملک نے کہا:

ان کان الولید یلحن فان — اگر ولید زبان میں غلطی کرتا ہے تو
اخاہ سلیمان۔ — اس کا بھائی سلیمان ہے

اور خالد نے فوراً اس کے جواب میں کہا:

وان کان عبد اللہ یلحن — اگر عبد اللہ زبان میں غلطی کرتا ہے
فان اخاہ خالد[1] — تو اس کا بھائی خالد ہے۔

اس مکالمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اموی خلفاء و امراء اور انکے دور کے

[1] الکامل مبرد ج ا ص ۱۹۷۔

خطباء و شعراء، زبان و ادب کا کس قدر اہتمام کرتے تھے اور ان کا لسانی معیار کتنا بلند تھا۔

فن کیمیاگری خالد بن یزید کی کیمیاگری کی شہرت نے ان کے دیگر علوم و فنون اور اوصاف و کمالات پر پردہ ڈال دیا، اہل عرب طب و نجوم سے قدیم زمانہ سے مقامی اور قبائلی علوم کی حیثیت سے واقف تھے، صنعت کیمیاء ان کے لیے نئی چیز تھی اسلیے خالد کے معاصرین ان کو اس میں اہمیت دیتے تھے، آگے چل کر یہی بات زیادہ مشہور ہوئی، خالد خانوادۂ خلافت کے فرد تھے۔ جود و سخا عربوں کا قدیم محبوب مشغلہ ہے خالد بھی اجواد و اسخیاء میں شمار ہوتے تھے اس لیے کیمیاگری کے ذریعہ داد و دہش کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے اخوان و احباب کی مدد کی، ان کا بیان ہے:

ماطلب بذلک الا ان — میں اس کیمیا سازی سے اس کے
اغنی اصحابی واخوانی انی طمعت — سوا کچھ نہیں چاہتا کہ اپنے احباب
فی الخلافۃ فاختزلت دونی — و اخوان کو بے نیاز کر دوں' میں نے
فلم اجد منھا عوضا الا ان — خلافت چاہی مگر ناکام رہا تو اسکے
ابلغ آخر ھذہ الصناعۃ — بدلے میں مجھے یہی مناسب معلوم ہوا
فلا احوج احدا عرفنی — کہ اس صنعت کیمیاگری میں کامیابی
یوما او عرفتہ الی ان — حاصل کروں' اور ہر وہ شخص جس نے
یقف بباب سلطان رغبۃ — کسی دن مجھے پہچانا یا میں نے اس کو
او رھبۃ[1] — پہچانا اس کو اس حال میں نہ چھوڑ دوں

[1] الفہرست، ص، ۴۹۷۔

کہ کسی سلطان و امیر کے دروازے پر
امید و یاس کے ساتھ کھڑا رہے۔

قاضی رشید بن زبیر نے لکھا ہے کہ شاہ چین نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ میں نے آپ کے پاس ایک ہدیہ بھیجا ہے جو ہدیہ نہیں بلکہ تحفہ ہے، آپ میرے پاس ایسے آدمی کو بھیجدیں جو آپ کے نبیؐ کے بتائے ہوئے حلال و حرام کو مجھ سے بیان کرے،

وکانت الھدیۃ کتابا من سرائر علومھم فیقال انہ صار بعد ذلک الی خالد ابن یزید بن معاویۃ وکان یعمل منہ الاعمال العظیمۃ من الصنعۃ وغیرھا[1]

یہ ہدیہ اہل چین کے مخفی علوم کی کتاب کی صورت میں تھا، کہا جاتا ہے کہ بعد میں یہ کتاب خالد بن یزید بن معاویہ کے پاس پہونچی اور اسی سے وہ کیمیا گری وغیرہ کے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ خالد بن یزید نے فن کیمیا گری میں قدماء کی کتابوں کو نکالا، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے طب، نجوم اور کیمیا کی کتابوں کا ترجمہ کیا کرایا، کہا جاتا ہے کہ وہ کیمیا بنانے میں کامیاب ہوئے، اس فن میں ان کی کتابیں اور رسائل اور ان کے بہت سے اشعار ہیں، میں نے ان میں سے پانچ سو ورق دیکھے ہیں اور ان کی کتابوں میں سے حسب ذیل کتابیں دیکھی ہیں (۱) کتاب الحرارات (۲) کتاب الصحیفۃ الکبیر (۳) کتاب الصحیفۃ الصغیر (۴) کتاب وصیتہ الی ابنہ فی الصنعۃ[2]

ایک مرتبہ خالد کے غلام نے ان سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ جس کام (کیمیا سازی)

---

[1] الذخائر والتحف ص ۹۹-۱۰۰ (کویت) [2] کتاب الفہرست، ص ۴۹۷۔

میں آپ سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں، اس میں دوسرے لوگ غور و فکر کر رہے ہیں اور آپ خاموش ہیں، خالد نے کہا کہ میں احادیث اور علم دین کی طلب میں منہمک ہوں اور کیمیا سازی صحیح طور سے کر لی ہے، اگر اس کو عام کر دوں گا تو لوگ اس کی ترکیب یاد کر لیں گے اس لیے خاموش ہوں[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد کیمیا بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اس کا مقصد جلب منفعت اور حرص زر نہیں تھا بلکہ حاجت مندوں کی حاجت روائی تھا۔

آل اولاد اور وفات اللہ تعالیٰ نے خالد کی آل اولاد میں بڑی برکت و کثرت دی تھی اور اس میں نامی گرامی افراد پیدا ہوئے، ابن قتیبہ نے لکھا ہے:

وعقبہ کثیر بالشام

ملک شام میں ان کی اولاد بہت زیادہ ہے۔

ان کی اولاد کے حسب ذیل نام کتابوں میں ملتے، سعید، ابوسفیان، حرب، یزید، عبداللہ اور عتبہ، سعید بن خالد کی والدہ آمنہ بنت سعید بن عاصؓ حضرت عثمانؓ کی نواسی تھی، حرب اور یزید دونوں بڑے معزز اور سید العائلہ تھے، عبداللہ کے دو لڑکے علی اور عباس کی والدہ نفیسہ بنت عبید اللہ بن عباس بن علی رضی اللہ عنہ تھی، علی بن عبداللہ بن خالد نے خلیفہ مامون عباسی کے دور میں خروج کے خلافت کا دعویٰ کیا اور قید کیے گئے،[2] خالد بن یزید کا انتقال علی اختلاف الروایہ سنہ ۹۰ھ میں ہوا۔

---

[1] انساب الاشراف ص ۶۵ [2] جمہرۃ انساب العرب ص ۱۱۲۔

تاریخ گوئی میں لفظ یحییٰ کے عدد

از جناب عبدالرؤف خاں ایم - اے -

فن تاریخ گوئی عربی زبان کے حروف تہجی کی ترتیب ابجد اور ان حروف کے مقررہ اعداد پر مبنی اگرچہ ایک سائنٹفک فن ہے تاہم اس فن میں نہ صرف بعض حروف بلکہ کچھ الفاظ کے عدد شمار کرنے میں بھی اساتذہ فن کے درمیان ہمیشہ سے اختلافات رہے ہیں مثلاً الف ممدودہ، ہمزہ، حرف مشدد، کاف بیانیہ، تائے مدورہ مربوطہ، تائے فوقانی "گی" پر ختم ہونیوالے تمام الفاظ مثلاً رعنائی، حنائی، جدائی، آئی، گئی، کدخدائی، وغیرہ، اسی طرح کھڑے زیر یعنی الف مقصورہ والے الفاظ مثلاً موسیٰ، عیسیٰ، اقصیٰ، اعلیٰ، ادنیٰ، نیز اسی قبیل کے دیگر الفاظ کے سلسلے میں۔ مگر ان اختلافات کے سلسلے میں تفصیلی بحث فن تاریخ گوئی کی معتبر و مستند کتابوں میں مل جاتی ہیں لیکن لفظ یحییٰ" کے ذیل میں اس فن کی کتب معتبرہ میں کوئی بحث نہیں ملتی جس کے سبب اس فن سے دلچسپی رکھنے والا قاری رہنمائی سے محروم رہتا ہے کہ آیا اس لفظ کے ۲۸ عدد شمار کئے جائیں یا ۳۸[1] حساب جمل کا مسلمہ اصول ہے کہ تاریخ گوئی کی بنا رسم الخط پر ہے یعنی اس فن میں اعداد اخذ کرنے کا مدار فن عروض کے برخلاف کتابت پر ہے نہ کہ تلفظ پر مگر اساتذۂ فن نے اس اصول سے انحراف کرتے ہوئے مطلوبہ عدد حاصل کرنے کیلئے لفظ "یحییٰ" کے حسب منشا ۲۸ عدد بھی محسوب کئے ہیں اور ۳۸ بھی جیسا کہ درج ذیل امثلہ سے واضح ہوگا۔

[1] حالانکہ یحییٰ میں بھی الف مقصورہ ہے لیکن اس قبیل کے دیگر الفاظ کی نسبت اختلاف یہ ہے کہ اس میں دو یا شمار کی جائیں یا تین - ۱۲

یہاں پہلے اُن تاریخ گو اساتذہ کے قطعات تاریخ کے صرف حامل تاریخ اشعار یا مادہ ہائے تاریخ کو پیش کیا جاتا ہے جن میں لفظ یحییٰ" کے ۲۸ عدد شمار کرتے ہوئے مطلوبہ سنہ برآمد کیا گیا ہے -

مولوی احمد کبیر وکیل حیرت ساکن پھلواری نے اپنی مشہور و معروف دو جلدوں پر مشتمل ضخیم تصنیف تاریخ کملا (تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۰۲ھ حاصل ہوتے ہیں) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سنہ ۱۱ھ سے لیکر ۱۳۱۲ھ تک وفات پانے والے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، ائمہ عظام، محدثین کرام، بزرگان دین رحمہم اللہ اجمعین، نیز دیگر حضرات کے قطعات تاریخ ارتحال مختلف صنائع تاریخ میں دیئے ہیں، جو ان کی دس سالہ محنت شاقہ کا ثمرہ اور ان کی قادر الکلامی نیز اس پیچیدہ فن پر ان کی کامل دسترس کا ثبوت ہے۔ گو اس تصنیف میں فن تاریخ گوئی کے اصول وضوابط سے کوئی بحث وتعرض نہیں ہے تاہم اس غامض فن کے مبادیات سے حیرت صاحب کی واقفیت کا اندازہ قطعات تاریخ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ موصوف کی ۱۸۱۹ صفحات کی ضخیم تصنیف کے سات قطعات تاریخ میں لفظ یحییٰ مع تین یا وارد ہوا ہے جس کے ۲۸ عدد اخذ کئے ہیں۔ پہلا قطعہ حضرت یحییٰ بن الآدم بن سلیمان کوفی عالم وحافظ حدیث متوفی ۲۰۳ھ پر ہے جس کا حامل تاریخ شعر صنعت تعمیۂ تدخلہ میں یہ ہے:-

گفت بجور از روے اشارہ

آمد یحییٰ ابن الآدم" ۲۰۲ + ۱ = ۲۰۳ھ (۱۲۵:۱)

۷۶ + ۵۳ + ۲۸ + ۴۵

دوسرا قطعہ حضرت یحییٰ بن المعاد رازی رحمہ اللہ کی وفات ۲۵۸ھ کے بارے میں ہے جس کا مادہ ہے :

"بود یحییٰ بن المعاد وددد" (۱: ۱۶۶)
۱۲+۴۸+۵۲+۱۲۶+۲۰ = ۲۵۸ھ

تیسرا قطعۂ تاریخ حضرت یحییٰ بن یمان العجلی کوفی محدث علیہ الرحمہ کے ارتحال (۲۹۰ھ) پر ہے، جس کا تاریخی مصرع "یحییٰ با حق بجناں آمد" ہے، جس میں یحییٰ کے ۲۸ عدد گئے ہیں۔ (۱: ۱۸۲)

چوتھا قطعہ مولوی محمد یحییٰ صاحب ساکن ضلع ڈہری موضع بھبھو کے انتقال ۱۲۷۲ھ کا ہے جس کا مصرع مادہ ہے:

"از ادب شد جائے یحییٰ در بہشت" ۱۲۷۲ھ (۲: ۱۹۳)

حیرت صاحب کا پانچواں قطعہ جس میں لفظ یحییٰ شامل مادہ ہے، اپنے والد ماجد حکیم محمد یحییٰ بن حکیم واعظ اللہ ساکن موضع گھگھٹا ضلع سارن کے سانحۂ وفات پر کہا ہے، جو ۱۲۸۰ھ کا واقعہ ہے۔ چونکہ اس قطعہ میں متوفی کے مولد و مسکن مع سبب وفات اور تاریخ و ماہ کی بھی صراحت کی گئی ہے اس لئے پورا قطعہ لکھا جاتا ہے:

والد ماجدِ ممدوحِ من اے حیرت بود — واعظ اللہ دلِ آگاہ و طبیب دانا
مولد و مسکنِ او موضع گھگھٹا مشہور — بود از علم با اخلاق و محبت یکتا
بست و دو چوں بصفر آمدہ او کرد سفر — یعنی در عارضۂ شدت دق گشت فنا

شد چو زانجا بجناں ہاتفِ حق دید و بگفت

"نبض حوراں دید پاک محمد یحییٰ" ۱۲۸۰ھ (کذا) (۲: ۲۱۹)
۸۵۲+ ۲۶۵+ ۱۸+ ۲۳+ ۹۲+ ۲۸

لیکن مادہ کے حروف کی میزان بحساب جمل ۱۲۷۸ ہوتا ہے ممکن ہے پاک کے بجائے "بپاک" ہو۔

چھٹا قطعہ چودھری شیخ یحییٰ علی بن چودھری رفیع الدین موضع دھنوت کی رحلت ۱۲۹۷ھ سے کا اس قطعہ کا تاریخی شعر ایک عدد کے تخرجہ سے کہا ہے، جو درج ذیل ہے:

گفت حیرت بہ فگندہ سال نوشش از او

"چودھری یحییٰ علی پاک شد جنت نصیب" ۱۲۹۸ - ۱ = ۱۲۹۷ھ (۲: ۲۶۴)

ساتواں قطعۂ تاریخ حضرت قاضی مولوی محمد یحییٰ آروی علیہ الرحمہ کے سانحۂ وفات ۱۳۰۰ھ پر ہے، جس کا حاصلِ تاریخ شعر ایک عدد کے تدخلہ سے کہا ہے:

جنتی گشت بوجہ آیین + از کرم قاضی محمد یحییٰ (۲: ۳۲۷)
۸+۲۶۰+۹۱۱+۹۲+۲۸ = ۱۳۰۰ھ

جناب سید آل محمد صاحب بلگرامی ثم مارہروی م ۱۲۹۵ھ نے جن کا پایہ فن تاریخ گوئی میں نہایت بلند ہے اور جنہوں نے دیوان تواریخ (۱۲۸۸ھ) نجستہ دوایر (۱۲۸۹ھ) اور مکاتبۂ متفرقہ (۱۲۹۳ھ) جیسے بیش بہا دواوین خوبصورت قطعات تاریخ پر سپرِ قلم فرما کر اس فن کے دامن کو مالا مال کیا، لفظ یحییٰ (مع تین یا لکھ کر) کے ۲۸ عدد ہی شمار کئے ہیں۔ اُن کے خال (خالو ماموں) جناب سید غلام یحییٰ صاحب ۱۲۹۲ھ میں حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے تو سید آل محمد صاحب نے دو شعر کا ایک تہنیتی قطعۂ تاریخ کہا جس کے تاریخی شعر بیں "یحییٰ" کے ۲۸ عدد اخذ کرتے ہوئے سنہ مطلوبہ ۱۲۹۲ھ برآمد کیا ہے:

مخدوم من بحج کعبہ چو شد مشرف — احسنت بر زبان کرد بیاں شنفتم

آل محمد ازمن بہر سنش چو گفتہ

"سید غلام یحییٰ حاجی کعبہ" گفتم ۱۲۹۲ (مکاتبۂ متفرقہ ص ۳۴ مطبوعہ آرہ)
۹۷+۲۲+۲۸+۱۰۷۱+۷۴

عظیم تاریخ گو شاہ سید محمد یحییٰ عظیم آبادی کی وفات ۱۳۰۲ھ پر سید شاہ سلیمان پھلواروی حاذق نے جو تاریخ موزوں کی اس میں یحییٰ کے ۲۸ عدد گنتے ہوئے مطلوبہ سنہ حاصل کیا ہے:

سال تاریخ نوشتم حاذق — "شاہ یحییٰ بجناں رحلت کرد" ۱۳۰۲ھ (کنز تواریخ ص مطبوعہ پٹنہ ۱۹۸۲)

نواب سید محمد جعفر علی خاں جعفر شمس آبادی کو تاریخ گوئی کا اعلیٰ اور ستھرا ذوق تھا قطعات تاریخ پر کئی مجلدات پر مشتمل ایک دیوان موسوم بہ "دفتر تاریخ" یادگار چھوڑا۔ راقم کے پاس اس کی صرف آٹھویں جلد کا زیراکس ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے ایک دوست سید غلام شبیر اسسٹنٹ انجینیر محکمہ نہر کے جواں سال فرزند سید یحییٰ کے انتقال (۱۳۳۷ھ م ۱۹۱۹ء) پر آٹھ قطعات تاریخ موزوں فرمائے جنمیں چار قطعات تاریخ کے مادوں میں لفظ یحییٰ شامل ہے۔ ان میں تین مادہ ہائے تاریخ سے ہجری اور ایک سے عیسوی سنہ برآمد کیا ہے، اور صراحت کر دی ہے کہ لفظ یحییٰ کے ۲۸ عدد شمار کئے ہیں مگر ایسا کرنے سے چاروں تاریخوں میں دس دس عدد کی کمی واقع ہو گئی ہے۔ اگر وہ صرف ہجری سنہ ہی دیتے تو اُن کی صراحت کے پیش نظر اسے زراعتی (فصلی) سنہ پر قیاس کیا جاسکتا تھا جو مذکورہ ہجری سنہ کے مطابق ۱۳۲۷ تھا۔ مگر انہوں نے ایک قطعہ کے مادہ میں بڑے خوبصورت طریقے سے بکرمی سمت اور ہجری و عیسوی سنین بھی برآمد کئے ہیں۔ لہٰذا پہلے وہ قطعہ لکھا جاتا ہے تاکہ متوفی کا سال سانحہ متحقق ہو جائے۔

مُدّتِ غم جگر بند غلام شبیر　　ہمسن اکبر مجروح جگر گفتا طبع

ہندو و مسلم و انگلش چو بہم پرسیدند

زہمہ "داغ جوانی پسر" گفتا طبع (دفتر تاریخ حصہ ہشتم ص ۵۵ و ۵۶)

یعنی مادہ کے درمیانی الفاظ "داغ جوانی پسر" سے بحساب جمل ۱۳۳۷ھ خارج ہوتا ہے اور اس میں مادہ کے آخری الفاظ "گفتا طبع" کے اعداد شامل کر دیے جائیں جو کہ ۵۸۲ ہوتے ہیں تو عیسوی (انگلش) سنہ ۱۹۱۹ برآمد ہوگا نیز اس میں "زہمہ" کے ۵ عدد داخل کرنے پر بکرمی (ہندو) سمت ۱۹۷۶ ہو جائے گا یعنی پورے مصرع مادہ سے بکرمی سمت حاصل ہوتا ہے اور یہی تاریخ گو کا منشا ہے۔ اب وہ مادے پیش ہیں جن میں لفظ یحییٰ (با دو یا) آیا ہے:

ہمسن اکبر آل الطیب حیدری یحییٰ بجنان (دفتر تاریخ حصہ ہشتم ص ۵۶)

مادہ کے نیچے ۱۳۳۷ھ لکھ کر لفظ یحییٰ پر حاشیہ "۱" کے تحت رقمطراز ہیں: اعداد یحییٰ بست ہشت گرفتہ ام ہمیں مقتضائے احتیاط و مطابق لغت ست ۱۲ یعنی لفظ یحییٰ کے ۲۸ عدد لئے ہیں کیونکہ یہی احتیاط کا تقاضہ اور لغت کے مطابق ہے۔ مگر یحییٰ کے ۳۸ عدد اخذ کرتے ہوئے مادہ کے الفاظ کا میزان کیا جاتا ہے تو ۱۳۴۷ ہی برآمد ہوتا ہے۔ ایک دوسرے مطلع میں بھی یہی صورت حال ہے:

بشد آں نو گل شبیر ز باغ جہاں سید　　بزجہ روان سوئے جناں یحییٰ جواں سید (کذا) (ایضاً)

درج ذیل قطعہ کے مادہ میں عیسوی سنہ برآمد کیا ہے:

فرسٹ بودہ در ریاضی میٹرک پنجاب آہ　　نورعین سیدی شبیر فخر دو دہاں

ہفدہ سالہ برفتہ از تپ چیچک زدہر　　اد شنبہ و بست ستمبر ماہ یحییٰ در جناں ۱۹۱۹ء (ایضاً)

لیکن الفاظ مادہ کے اعداد کا میزان بحساب جمل ۱۹۰۹ ہی حاصل ہوتا ہے۔

اردو زبان کے اس مادہ سے بھی مطلوبہ اعداد برآمد نہیں ہوتے:

جو بیسویں ذی حج سے شنبہ ہائے یحییٰ کیا ہوا ۱۳۳۷ھ؟ (ایضاً ص ۵۷)

لیکن مادہ بالا کے جملہ الفاظ کی میزان ۱۳۳۷ کے بجائے ۱۳۲۷ ہی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ تمام مادہ ہائے تاریخ میں یحییٰ کو تین یا ے لکھتے ہوئے ۳۸ عدد محسوب کرنے پر مطلوبہ سنین برآمد ہوں گے نہ کہ ۲۸ عدد شمار کرنے پر۔

مفتی محمد غلام سرور لاہوری جن کا مرتبہ اس فن میں بہت بلند ہے ان کے ذہن رسا کا یہ حال ہے کہ قطعات تاریخ کے تقریباً ہر مصرعے سے مطلوبہ سنہ برآمد کرتے ہیں۔ نیز ان کے قطعات کے مستند و مشہور ہونے کا یہ بیّن ثبوت ہے کہ اکثر تذکرہ نگار حضرات نے

انہیں بطور سنہ استعمال کیا ہے۔ موصوف قطعات تاریخ پر مشتمل اپنی معروف تصنیف گنجینۂ سروری معروف باسم تاریخی گنج تاریخ (۱۲۸۴ھ) میں حضرت خواجہ یحییٰ بن عمار یاسر رح جو حضرت عبداللہ بن خفیف رح کے مرید اور ہرات کے اعاظم مشائخ میں جن کا شمار ہوتا تھا، کی وفات (۴۰۲ھ) کے قطعۂ تاریخ کے دو مادوں میں لفظ یحییٰ کے ۲۸ عدد لیتے ہوئے مطلوبہ سنہ ۴۰۲ھ برآمد کیا ہے جب کہ اسے تین "یا" سے ارقام فرمایا ہے۔ قطعۂ تاریخ یہ ہے:۔

یافت چوں یحییٰ حیات دائمی — در جناں تاریخ آں والا مکاں

ہست عابد نامور یحیٰ بگو ۴۰۲ھ — نیز یحییٰ قطب ربانی بخواں ۴۰۲ھ

۲۹۳ + ۱۱۱ + ۲۸ — ۲۸ + ۲۹۸ + ۷۶

از فرید حق بجو تاریخ لو ۴۰۲ھ

۱۰۸ + ۲۹۴

باز بدر الدین امین کن ترجماں ۴۰۲ھ (ص ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۹ء لکھنؤ)

۱۰۱ + ۹۵ + ۲۰۶

گرچہ اس تصنیف میں وفات النبی ص (۱۱ھ) سے لے کر ائمہ اطہار و صحابۂ کبار و خانوادہ ہائے اولیاء و مشائخ نیز سلاطین و امراء و کملائے روزگار و منشیان نامدار و ناظمان اقلیم شاعری کے ۱۲۹۳ھ تک وفات پانے والوں کے قطعات تاریخ دیئے ہیں "مگر یحییٰ" نام کے کسی دوسرے بزرگ کے قطعہ میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔

طامس ولیم بیل نے بھی یحییٰ کو دو یا سے لکھتے ہوئے میر یحییٰ کاشی (وفات ۱۰۶۴ھ) کے مادہ میں اس لفظ کے ۲۸ عدد لئے ہیں:۔

احیای سخن چو کرد یحییٰ جان داد ۱۰۶۴ھ (مفتاح التواریخ ص ۲۶۰ مطبوعہ نومبر ۱۸۶۷ء)

۳۰ + ۲۱ + ۲۹ + ۲۲۴ + ۲۸ + ۲۵۴ + ۹ =

مذکورہ بالا مادہ ہائے تاریخ میں لفظ یحییٰ کے ۲۸ عدد ہی مستفاد کئے گئے ہیں یعنی دو "یا" تسلیم کرتے ہوئے لیکن قرآنی املا تین یا سے ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ذیل میں چار سورتوں کی پانچ آیات شریفہ میں وارد ہوا ہے یعنی:

(۱) أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى... (آل عمران آیت ۳۹)

(۲) وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ (سورہ انعام آیت ۸۵)

(۳) يٰزَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ اسْمُهُ يَحْيٰى (سورہ مریم آیت ۷)

(۴) يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط (سورہ مریم آیت ۱۲)

(۵) وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى...... الخ (سورہ انبیاء آیت ۹۰)

اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ فن تاریخ گوئی کے اعداد کا مدار کتابت پر ہے نہ کہ تلفظ پر اور چونکہ قرآنی املا میں یہ لفظ تین یا کے ساتھ ہے لہٰذا اس کے عدد بھی ۳۸ اخذ کرنے چاہئیں نہ کہ ۲۸ ذیل میں چند مادّے ۳۸ عدد کی سند میں پیش کئے جاتے ہیں۔

ابو عبداللہ محمد فاضل المدعو بہ مظہر الحق شاہجہانی م ۱۲۰۰ھ نے قطعات تاریخی پر مشتمل اپنی شہرۂ آفاق تالیف فخر الواصلین میں، جسے تاریخی قطعات پر اولیت حاصل ہے، حضرت یحییٰ بن معاذ قدس سرہ م ۲۵۹ھ [۲۶۰ھ] کے قطعۂ وفات میں لفظ یحییٰ کے ۳۸ عدد حاصل کرتے ہوئے سنہ مطلوبہ برآمد کیا ہے۔

آنکہ یحییٰ بن معاذ است او — اہل آفاق را سلاذ است او

روز شنبہ کہ کرد عزم جناں — ہژدہم بود از مہ رمضاں

سال نقلش ز اوج ہفت فلک — گفت "ساکن بعدن" حور و ملک، ۲۵۷ھ

عقل تاریخ آں نکو فرجام — گفت "یحییٰ باوج عدن مدام" ۲۵۹ھ

۳۸ + ۱۲ + ۱۲۴ + ۸۵ =

مرقد پاک او بہ نیشاپور

زائرش جن و انس و وحش و طیور (ص ۲۵ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ مطبع مصطفائی لکھنؤ)

تیسرے شعر کے ثانی مصرع میں "ساکن بعدن" سے ۲۵۷ھ حاصل ہوتا ہے اور یہی لکھا بھی ہے مگر ۲۵۷ھ کے ۱۸ رمضان المبارک کو شنبہ نہ ہو کر پنجشنبہ (جمعرات) تھا

جب کہ ۱۲۵۹ھ کے ۱۸ رمضان المبارک کو شنبہ (سنیچر) تھا (ملاحظہ ہو تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ ابو النصر محمد خالدی صاحب ص ۱۳)

سید شاہ محمد غلام یحییٰ یحییٰ عظیم آبادی م ۱۳۰۲ھ نے حضرت شاہ یحییٰ علی متوفی ۱۰ ذیقعدہ ۱۲۶۴ھ کے مادہ میں یحییٰ کے ۳۸ عدد اخذ کرتے ہوئے سنہ وفات برآمد کیا ہے:۔

داغ یحییٰ علی عالی ۱۲۶۴ھ (کنز تواریخ / مجلہ تواریخ مش خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ ۱۹۸۴ء)
۵+۱۰۰۰+۳۸+۱۱۰+۱۱۱=

شاہ یحییٰ عظیم آبادی کا مرتبہ دیگر علوم کے علاوہ فن تاریخ گوئی میں بھی محتاج تعارف نہیں۔

شمس العلماء نواب عبد العزیز جنگ بہادر ولا مدراسی نے ہمزہ کی بحث میں میر یحییٰ کاشی م ۱۰۶۴ھ کے مادہ میں بحوالہ خزانہ عامرہ یحییٰ کے ۳۸ عدد اخذ کرتے ہوئے (خزانہ عامرہ ہمارے دسترس سے باہر ہے)

احیاء سخن چو کرد یحییٰ جان داد (غرائب الجمل ص ۱۳۶ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ حیدرآباد)
۲۰ ۳۸

مادہ سے ۱۰۶۴ھ مستفاد کیا ہے اور احیاء کے الف آخر کے بعد کا ہمزہ حساب جمل سے خارج رکھا ہے۔

منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی م ۱۳۰۹ھ نے بھی اس مادہ کی یہی قرأت لکھی ہے جنہیں اس فن میں امتیازی حیثیت حاصل تھی اور بقول پروفیسر حنیف نقوی "وہ اپنی زندگی میں بھی اس فن کے عالم و عارف کے طور پر روشناس خلق تھے اور آج بھی اس کے اختلافی اور متنازعہ فیہ مسائل کے سلسلے میں ان کے اقوال اور فیصلے سند کا حکم رکھتے ہیں"[۱] لیکن وہ اس مادہ ـــ

احیاء سخن چو کرد یحییٰ جان داد۔ نیز اسی قبیل کی دیگر تاریخوں پر جن میں ہمزہ و بعد الف واقع ہوا ہے، قدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "فارسی میں (بعد الف) ہمزہ نہیں لکھتے اور جو ہمزہ کہ بعد الف کے آتا ہے اس کے بدل میں یائے تحتانی لکھتے ہیں۔ قاعدہ عربی فارسی میں جاری کرنا ناروا ہے۔ حق پسند طبیعت کبھی قبول نہیں کر سکتی"[۲]۔

---

[۱] [illegible] ۱۹۸۰ء شمارہ [illegible] ص ۴۳ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی
[۲] [illegible] تسلیم [illegible] مطبوعہ ۱۹۱۲ء مطبع [illegible] آباد۔

بہر نوع اس اعتراض سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مادہ کی اوریجنل قرأت "احیاء سخن ..... الخ" ہے نہ کہ احیائے سخن ..... الخ

مولانا احترام الدین احمد شاغل عثمانی جو پوری ہمزہ بعد الف کو غیر محسوب بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر القاء، وعدہ وغیرہ الفاظ ہمزہ سے لکھے جائیں گے تو کوئی عدد نہ لیا جائیگا۔ مثلاً تاریخ وفات میر یحییٰ کاشی ہے:۔

احیاء سخن چو کرد یحییٰ جان داد (۱۰۵۴ھ کذا)

اس میں ہمزہ کا عدد نہیں لیا گیا[۱]۔" واضح ہو کہ مولانا مرحوم نے مادہ میں "یحییٰ" دو یا سے لکھا ہے اور نہایت احترام کے ساتھ عرض ہے کہ ان سے یحییٰ کاشی کی وفات کے بارے میں دس سال (کم) کا سہو واقع ہوا اگرچہ انہوں نے یحییٰ کے ۲۸ عدد شمار کرتے ہوئے ۱۰۵۴ھ درست برآمد کیا ہے مگر یحییٰ کاشی کا درست سنہ وفات ۱۱ محرم ۱۰۶۴ھ ہے۔ شاہجہاں صاحب قران ثانی نے جب شاہجہاں آباد کو ۱۰۵۸ھ میں اپنا پائے تخت بنایا اور جشن عالی ترتیب دیا تو اس موقع پر یحییٰ کاشی نے یہ خوبصورت تاریخ شد شاہجہاں آباد از شاہجہاں آباد ۱۰۵۸ھ برآمد کی اور دہ ہزار روپیہ صلہ پایا[۲]۔

جناب کسریٰ منہاس صاحب نے بھی مذکورہ قرأت ہی تحریر کی ہے مگر بلا لیں میں غلطی سے سنہ ۱۰۶۰ لکھا ہے اور یحییٰ تین یا سے مگر انہیں بھی یہ اعتراض ہے کہ "احیائے سخن" کی کتابت یائے تحتانی سے درست تھی[۳]۔

میر مہدی حسین رضوی الم تلمیذ داغ نے بھی یحییٰ کاشی کی وفات کے مادہ کو:

احیاء سخن چو کرد یحییٰ جان داد۔ (۱۰۶۴ھ)[۴] ہی تحریر کیا ہے

---

[۱] صحیفہ خوشنویساں ص ۱۶ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی مطبوعہ اکتوبر، دسمبر ۱۹۸۴ء
[۲] ماثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی جلد دوم ص ۸۸ مطبوعہ ۱۹۱۳ء کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن
[۳] فن تاریخ گوئی ص ۵۵ مطبع نقوش پریس لاہور ۱۹۸۹ء [۴] گلشن تاریخ ص ۷ مطبع فخر نظامی حیدرآباد ۱۳۱۲ھ

مذکورہ مادہ میں مولانا شاغل کے علاوہ ہر ایک تاریخ گو نے یحیٰ کو تین یا سے لکھتے ہوئے ۳۸ عدد اخذ کئے ہیں جو اصول تاریخ گوئی کے عین موافق ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس فن کی چند مساوی الاعداد کتابوں کے حوالے سے بھی اس لفظ کے اعداد کی وضاحت کر دی جائے۔ منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی نے اپنی تصنیف عدد التاریخ (۱۳۲۰ھ) معروف بہ زنبیل تاریخی ص ۳۲ پر یحیٰ کو تین یا سے لکھتے ہوئے صرف ۲۸ عدد کے تحت لیا ہے جب کہ حافظ الٰہی بخش شائق سوداگر کانپوری نے آئینۂ تواریخ (۱۲۹۳ھ) الملقب بہ تحفۂ شائق میں یحیٰ کو تین یا سے لکھتے ہوئے ۲۸ نیز ۳۸ دونوں کے تحت (ص ۸ و ۱۲)۔ میر مہدی حسین رضوی آلم نے بھی ۲۸ اور ۳۸ عدد کے تحت ہی لکھا ہے (گلبن تاریخ ۔ ص ۶،۹) میر نادر علی رعد نے گنجینۂ تواریخ الموسوم باسم تاریخی مرآت الخیال (۱۳۱۳ھ) میں تین یا سے لکھ کر صرف ۲۸ عدد کے تحت رکھا ہے (ص ۶) ابرار ہاشمی فتح پوری نے مع تین یا ۳۸ عدد کے تحت (فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت از ڈاکٹر فرمان فتح پوری ص ۷،۴ ایجوکیشنل پریس کراچی)

راقم الحروف نے اس فن کے ماہرین چند بزرگ اساتذہ (پروفیسرز) کی خدمت میں استفسار کیا کہ تاریخ گوئی میں از روئے قواعد و لغت لفظ یحیٰ کے کتنے عدد محسوب کئے جائیں۔ چنانچہ جن بزرگوں کی آرا موصول ہوئیں انہیں یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

پروفیسر عبد الرب عرفان صاحب صدر شعبۂ اردو فارسی وسنت راؤ نائک انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز ناگپور جو اس فن کے اصول و مبادیات سے کما حقہٗ واقف ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے تاریخ گو شاعر بھی ہیں نیز جنہیں انتہائی مشکل اور پیچیدہ قطعاتِ تاریخ کو حل کرنے میں ید طولیٰ حاصل ہے فرماتے ہیں۔

"یحیٰ میں تین یا ہیں (ی ح ی ی) جس طرح موسیٰ سے یا نکال کر الف بڑھانے سے موسا بنتا ہے اسی طرح یحیٰ سے آخری یا نکال کر الف بڑھانے سے "یحییا" بننا چاہئیے،

مزید برآں اگر اس میں صرف دو یا ہوتیں تو اس کی مکتوبی شکل "یحیٰ" ہوتی اسے یحیا، کسی بھی حال میں پڑھنا درست نہ ہوتا۔ اس کے اعداد ۳۸ ہیں"۔...... مکتوب گرامی بنام راقم مرقومہ ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۹۴ء

پروفیسر محمد انصار اللہ صدر شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اس سلسلے میں فرماتے ہیں

میر علی اوسط رشک نے زمانا، موسا، عیسا وغیرہ کو الف سے لکھنا شروع کیا تھا لیکن وہ اور ان کے استاد بھائی ان لفظوں میں ی کے دس عدد شمار کرتے رہے۔ کلب حسین خاں نادر نے "تلخیص معلّیٰ" سے اس کی تاریخ نکالی ہے حالانکہ وہ معلّیٰ کو معلّا لکھنے لگے تھے۔ میرے خیال میں جدید تاریخ گو کیلئے مناسب یہی ہے کہ ایسے لفظوں میں الف کے عدد کو ہی شمار کریں۔ یحیٰ کو یحیا لکھ کر اسکے عدد ۲۹ لینے چاہئیں یا پھر عربی املا کے مطابق ۳۸ ہونگے۔ ۲۸ والی بات کے لئے بظاہر جواز نہیں اور میرے خیال میں یہ مناسب ہے اگرچہ علما نے ایسا کیا ہے۔ (مکرمت نامہ بنام راقم الحروف مرقومہ ۹ جنوری سنہ ۹۵ء)

پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی صاحب صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی دہلی کو فن تاریخ گوئی اور شاعری میں بھی درجہ کمال حاصل ہے۔ لفظ یحیٰ کے عدد شمار کرنے کی بابت اپنے الطاف نامہ میں فرماتے ہیں۔

"یحیٰ میں دو یا ہیں اور ایک یا الف مقصورہ ہے (ی ح ی ی) اس کے اعداد ۳۸ ہونگے اس لئے کہ از روئے قاعدہ حروف مکتوبہ کے اعداد شمار ہوتے ہیں۔ البتہ اگر الف مقصورہ الف کی شکل میں لکھا جائے جیسے دعا تو اس کا ایک عدد شمار ہوگا" (مکتوب بنام راقم مورخہ ۴ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ)

مذکورہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ "یحیٰ" میں تین یا ہیں جن مورخین (تاریخ گویوں) نے دو یا کے ساتھ لکھ کر ۲۸ عدد اخذ کئے ہیں انکی رائے قابل ترجیح نہیں۔ انسب یہ ہے کہ اسکے ۳۸ عدد لئے جائیں یا جدید املا یحیا کی [illegible] ۲۹ دوسرے اس لفظ کا فرقانی املا یائے الف مقصورہ یعنی یا کے ساتھ ہے اس لئے اس کے برخلاف لکھنا مناسب نہیں تیسرے اس قبیل کے تمام الفاظ کا تلفظ الف مقصورہ کو اپنے ماقبل حرف سے ملا کر ادا کرتے ہیں مثلاً مصطفیٰ (مصطفا) مجتبیٰ (مجتبا) تعالیٰ (تعالا) وغیرہ۔ لہٰذا "یحییٰ" کو اگر دو یا سے تحریر کیا جائے گا تو اس کا تلفظ "یحیا" ہوگا نہ کہ یحییا۔

رسالہ وصال گنج احمد

از شیخ چاند بی بی صاحبہ، احمد آباد

[کتبخانہ پیر محمد شاہ احمد آباد میں کئی اوراق متفرق ہیں اور کئی مخطوطات میں بھی ایک یا دو صفحات دوسری کتابوں کے نقل کیے گئے ہیں۔ ایسے ہی قریب ڈیڑھ صفحہ پر مشتمل ایک رسالہ پر اچانک نظر پڑی جس کا نام ہے رسالہ وصال شیخ گنج احمد۔ یہ رسالہ عربی میں ہے۔ اس کو پہلے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔]

الحمد لله الذی جعل اولیاءه تحت فناءه و اذا قهم شراب المحبة من کاس جنابه وخصهم بمشاهدة الجبروت والملکوت واخرجهم من عالم الناسوت وشرفهم بمعائنته اسرار الغیب ولطائف المکنون الی عالم اللاهوت وحکم بان لاخوف علیهم ولاهم یحزنون والصلوة والسلام علی من ارسله الله بعثة العالمین وعلی اله الذین لقنوا شرایعه و بینوا مسالکه للطالبین امابعد فامرلی خان اعظم والخاقان المعظم ملجاء العلماء والصلحاء ملاذ الفقراء والغرباء خان الاعظم رفیع الشان شامخ المکان المخاطب بشرف جهان ادام الله تعالی الی یوم التناد وشرفه المبدأ والمعاد بان اورد الرسالة الفارسیة المفصحة عن کیفیة

ارتحال شیخ المشایخ والاولیاء ومرشد الاصفیاء والاتقیا وغواص بحر الشریعه ومحیط کرة الحقیقه ومرکز دائر الطریقه قطب الزمان الشیخ احمد اشهر بالمغربی تغمد الله بغفرانه الی حضرت القدس ومقام الانس فی العبارة العربیة الشایقة والکلمات الفصیحة الفائقة فلابد امتثال امره واسعاف مأموله شرعت فیه موفقا بالله الملهم للصواب والیه المرجع والیه المآب واوضحت کیفیته کما روی عمن هو مصاحب له فی السفر والاقامة وصدیق صادق فی الخدمة والملازمة ومعروف فی الصدق والعدالة غیر متهم بالکذب ولامنسوب بالجهالة انه اذا مضی من الهجرة تسعة واربعون وثمان مائة من العوام والقضی الشهر المبارک وشهر الصیام واسفر نور الصبح من یوم عید الفطر غسل واستعمل من العطر ثم أکل ما رزقه الله تعالی فقصد وسعی الی المصلی فلما رجع عنه قاء وخرج المأ الاحمر من صدره وصار متحیرا بمافی تفکره فما اکل بعده وما شرب ورضی بقضاء الله تعالی وقدره وانقطع عن اختلاط الخلائق واستغرق فی التامل فی بحر الحقایق ولم یتکلم کلاما الاهو المقصود والمطلوب ولم یتلفظ شیأ الاماهو المامول والمرغوب من ارشاد السالکین و

نصیحۃ الطالبین فلما بلغت ہذہ القصۃ الی السلطان الاعظم
والخلیفۃ المعظم سلطان محمد بن احمد علیہما الرحمۃ والرضوان
سارع الی سرہ السنیۃ والحضرۃ العلیا فلما دخل فی بیتہ وقرب
عند سریرہ نزل الشیخ لاجل تعظیم ولتوقیرہ جلس علی الفرش
مادام متمکنا وقادرا ثم اضطجع وکلّم معہ کلاما یسیرا ظاہرا
فلما فرغ عند السلطان الاعظم قام وخرج عن بیتہ باکیا
حزینا وجلس عند الباب کئیبا متاسفا ثم ارسل الی حضرت
الشیخ الاجل ہدیہ لاجل التجہیز والتکفین قام الشیخ وقطب
الاقطاب صلاح الدین بان یحفظہا عندہ الی ان مست
الحاجۃ الیہا وکان من الزاہدین ثم ارسل الی حضرت
الشیخ واحدا من خواصہ وقال لہ اعرض حاجتی عند حضرتہ
انی لا احتاج الی المطالب الدنیویہ والفانیہ لان اللہ تعالیٰ
قد بلغنی ہذا المبلغ من السلطنۃ والحکومۃ العالیۃ ولکن
اطلب المنافع الاخرویۃ الباقیۃ فاتوقع وارجوا بلطفک
العمیم والعامک القدیم ان تذہب لی فی دار النعیم مصاحبا
لک عند لقاء اللہ الکریم فجاء الرسول الی الشیخ الاعظم وعرض
ماقال فوضع علی الراس والعین واشار بہ الی الامتثال فرجع
السلطان علیہ الکرامۃ والرضوان ثم امر الشیخ قدس سرہ
لخدامہ وملازمہ ان یتلفظوا ویتکرروا بکلمۃ التوحید اذا

عاینوا الی محتضر مرحل الی جناب المعین فلما انقضی ثلثۃ عشر
یوما من الشوال ودخل اللیل من الرابع عشر منہ اشتد المرض
وتغیر الحال واغمی علیہ ساعۃ او ساعتین ثم افاق فقام
وجلس ثم اضطجع ہکذا فعل مرۃ او مرتین فلما عاینوا ہذہ
الحالۃ اشتغلوا بکلمۃ التوحید حتی اسفر الصبح بتقدیر الملک
الحمید فلما دنا وقت طلوع الشمس دعی الشیخ خادمہ الخاص
صلاح الدین لاصلاح الدین۔ فحضر۔

فکور الشیخ علی راسہ عمامہ ودعی بالخیر لاولادہ
من البنین ثم بایع الغلام الشیرازی البیعۃ فارتفع منہ بعدہ
انفاس معدودۃ وتحرکت الشفۃ السفلی حرکۃ خفیفۃ لا
شدیدۃ فقبض روحہ وذہب بہ الی مکانہ الاصلی
والجناب القدسی ورفع من العالم السفلی الی العوالم العلوی
فی یوم الخمیس قبل الزوال وکان مدۃ عمرہ احد عشر
ومائۃ بتقدیر مالک الملک ذو الجلال والاکرام وبذکر اللہ
الافتتاح والاختتام والصلوۃ علی سیدنا ونبینا وحبیبنا
والسلام وعلی آلہ البررۃ الکرام۔

رسالہ کا مکمل متن نقل کیا جا چکا ہے، اس سے مندرجہ ذیل اہم باتیں معلوم
ہوتی ہیں۔

۱۔ یہ رسالہ شیخ احمد مغربی کے ارتحال کی کیفیت کے بیان میں ہے جو اصلاً

فارسی میں تھا، اس کو شیخ احمد کھٹو نے خان اعظم و خاقان معظم ملقب بہ شرف جہاں کے حکم سے عربی میں منتقل کیا۔

۲۔ رسالہ کے مصنف شیخ احمد مغربی کی خدمت میں اور سفر و حضر ہر وقت برابر ساتھ رہتے تھے اور وہ صداقت و عدالت میں بہت مشہور تھے اس لیے انکا بیان نہایت معتبر ہے جس کو مترجم نے بے کم و کاست جوں کا توں پیش کیا ہے۔

۳۔ شیخ کے مرض الموت کی ابتدا ۸۴۹ھ میں رمضان المبارک کے اختتام کے بعد عید الفطر کے دن اس طرح ہوئی کہ وہ صبح غسل کر کے، عطر لگا کر کچھ کھانے کے بعد عیدگاہ تشریف لے گئے، وہاں سے آنے کے بعد قے ہوئی اور سینہ سے لال پانی نکلا جس کے بعد سے کھانا پینا اور لوگوں سے ملنا جلنا موقوف کر دیا، بلا ضرورت کوئی بات نہ کرتے صرف سالکین کو ہدایت اور طالبین کو نصیحت فرماتے۔

۴۔ شیخ کی بیماری کی خبر سنکر سلطان اعظم و خلیفہ معظم سلطان محمد بن احمد عیادت کیلئے آئے، شیخ ان کی تعظیم و تکریم کے خیال سے چارپائی سے اتر کر فرش پر بیٹھے مگر جب بیٹھنا مشکل ہوا تو لیٹ گئے اور بادشاہ سے مختصر اور آسان بات کی۔ بادشاہ وہاں سے غمگین، افسردہ اور روتے ہوئے واپس گئے۔

۵۔ بادشاہ کے یہاں سے تجہیز و تکفین کے لیے جو ہدیہ آیا وہ شیخ صلاح الدین کے حوالے کیا گیا تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔

۶۔ بادشاہ نے اپنا خاص فرستادہ بھیج کر شیخ مغربی سے اسکی درخواست کی "مجھے جنت نعیم میں دیدار الٰہی کے وقت اپنا ساتھی بنائیے"، شیخ نے درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔

۷۔ جب مرض نے شدت اختیار کی تو خدام کو کلمہ توحید کا ورد کرنے کا حکم دیا، ۱۴ شوال کو طلوع آفتاب کے بعد خادم خاص صلاح الدین کے سر پر اپنا عمامہ باندھا اور ان کے اور ان کی اولاد کے لیے دعا فرمائی اور شیرازی غلام نے بیعت کی۔ پھر چند سانسیں لیں اور نیچے کے ہونٹ میں خفیف حرکت ہوئی جس کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ذیل میں رسالہ کے متعلق بعض مزید تنقیحات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ خان اعظم المخاطب بہ شرف جہاں کون تھے؟ مرآۃ اکبری اور مرآۃ سکندری میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ مترجم نے انکا نام بہت اختصار سے لیا ہے۔ اگر ان کے اصلی نام کا ذکر کیا ہوتا تو پتہ چلتا کہ شاہان گجرات میں سے کس بادشاہ کے ساتھ وہ منسلک رہے اور اس کی بنا پر ترجمہ کے دور کا بھی تعین ہو سکتا لیکن قرین قیاس بات یہ ہے کہ مذکورہ فارسی رسالہ کی تالیف اور اس کے عربی ترجمہ میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ شرف جہاں محمد بن احمد کے دربار میں ملازم رہے ہوں۔ شیخ کے انتقال کے وقت محمد بن احمد کی تخت نشینی کو بہ مشکل چار سال گزرے تھے۔

۲۔ نہ فارسی رسالہ کا نام مذکور ہے اور نہ اس کے مصنف کا۔ یہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شیخ کی وفات کے وقت یہ رسالہ اتنا مشہور تھا کہ مترجم کو اس کا نام لینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لہذا ترجمہ شیخ کی وفات کے فوراً بعد ہی کیا گیا ہوگا۔

۳۔ ڈھائی صفحات پر مشتمل اس عبارت کو مترجم نے رسالہ کہا ہے۔ حالانکہ

اس کی حیثیت ایک مقالہ کی سی ہے۔ احتمال یہ ہے کہ فارسی رسالہ کسی قدر ضخیم رہا ہوگا لیکن مترجم نے اس میں سے صرف اپنے مفید مطلب چند فقروں کا ترجمہ کیا ورنہ وہ اس کو رسالہ نہ کہتے۔

۴۔ مترجم کا کہنا ہے کہ صاحب رسالہ فارسی ایک معتبر شخص تھے۔ نیز سفر وحضر میں وہ شیخ مغربی کے ملازم رہے اور اس کے علاوہ انہیں شیخ احمد کھٹو کے دوست عزیز ہونے کا بھی شرف حاصل تھا اور انہوں نے جو کچھ لکھا وہ مشہودات کی بنا پر نہ کہ مسموعات کی بنا پر۔

لہذا شیخ احمد مغربی کے ارتحال کے متعلق یہ جو چند باتیں بتائی گئی ہیں انہیں اعتبار اور استناد کا درجہ حاصل ہے

۵۔ مترجم نے نہ خود اپنا نام بتایا نہ ہی اپنے مقالے یا رسالے کا کوئی نام بتایا۔ قریب ۲½ صفحات پر مشتمل ان چند فقروں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مقالہ مکمل ہے ناقص نہیں ہے، چونکہ حمد و ثنا پر اس کا آغاز اور رسول اکرمؐ پر درود و سلام پر خاتمہ ہوتا ہے۔

۶۔ شیخ صلاح الدین کو شیخ مغربی نے اپنا بیٹا بنایا تھا اور انہیں اپنی خلافت بخشی۔ صلاح الدین آپ کے روضہ مقدسہ کے داخل ہونے کے دائیں جانب دفن ہیں۔

۷۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ شیخ کے ہاتھ پہ بیعت کرنے والا آخری شخص شیرازی کون تھا، لیکن ایک بات مسلم ہے کہ شیراز اور احمد آباد کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ حصن حصین کے مصنف جزری نے اپنی کتاب کا ایک نسخہ نجیب اللہ کے ہاتھوں احمد شاہ بادشاہ کی خدمت میں بھیجا احمد شاہ کا پوتا محمود بیگڑہ حصن حصین کے

اوراد کا پابند تھا۔ اس نے محمد ابو بکر بھڑوچی نامی ایک فاضل کے ہاتھوں اس کا فارسی ترجمہ کروایا تھا۔

دوانی کا انتقال ۹۰۸ھ میں ہوا۔ دوانی اور جزری دونوں شیراز میں دفن ہیں۔ دوانی کی شہرت اور انکے دو شاگرد احمد آباد پہنچ چکے تھے (عماد الدین طارمی اور گازرونی) ان سے احمد آباد کے کئی بزرگوں نے استفادہ کیا لہذا یہ بات قرین قیاس ہے کہ متعدد شیرازی حضرات نے یہاں سکونت اختیار کی ہو۔

۸۔ یہ مختصر تاریخی رسالہ ہے جو صرف ۱۳-۱۴ دن کی تاریخ پیش کرتا ہے۔

مرآۃ سکندری کے مصنف کا خیال ہے کہ سلطان محمد نے اپنا ایک پیامبر شیخ کے پاس بھیجا اس کو راستے میں انکی وفات کی خبر ملی وہ بادشاہ کے پاس واپس لوٹا بادشاہ نے احوال پوچھا تو بولا "شہ عالم محمد را بقا باد"[1] اس مصرع سے سال وفات نکلتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ بات جو مرآۃ سکندری نے لکھی ہے قرین قیاس ہے کیونکہ یہ تو شیخ کی وفات کے ایک عرصہ بعد لکھی گئی ہے۔ جب کہ راقم رسالہ مذکورہ تو شیخ کے مصاحب ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپنے بادشاہ کے ساتھ گفتگو بھی کی اور بادشاہ نے آپ کی تجہیز و تکفین کے لیے مدد بھی کی۔

ظاہر بات ہے کہ اس معاملہ میں مرآۃ سکندری کی بات سے ہی اختلاف ہو سکتا ہے۔ شیخ احمد پچھلے ۱۳ روز سے بیمار تھے۔ ان کی قریب بہ مرگ علالت کا چرچا تھا اور شاہ وقت ان سے ملنے نہ جاتے، عیادت کے لیے نہ جاتے۔ یہ بات یوں بھی قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔

واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] مرآۃ سکندری، صفحہ ۶۶

اُردو کی متصوفانہ حمدیہ شاعری

از ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط۔ کل گاؤں

تصوف کے مبادیات، مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مناقضات پر ضخیم کتابیں تصنیف ہوچکی ہیں۔ ان کا اور خشک زاہدانہ مسلک کی باتوں اور مراقبہ، اشتغال و اذکار کا ذکر یہاں مقصود نہیں۔ ناسوتی و ملکوتی احوال شریعت و طریقت کی کیفیات اور جذب و سکر کے حالات سے بھی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ اس مضمون میں صرف "محبت" کو پیش نظر رکھا گیا ہے، کیونکہ صوفی کی زندگی سراسر عشق ہی سے عبارت ہے۔ محبت کی دلآویزیوں اور عشق کی کرشمہ سازیوں کا اسمیں ذکر ہوا ہے۔ جس کی سرشاری محب و محبوب میں انمیت کا جذبہ اور الفت کا شوق پیدا کردیتی ہے، یہانتک کہ "استقلال الکثیر من نفسک واستکثار قلیل من حبیبک" والی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ وارفتگی شوق اور غلبہ محبت "ساختن" کو "سوختن" میں بدل دیتے ہیں۔ فرق مراتب مٹ جاتے ہیں۔ من و تو کے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ محبوب کبھی تو بندۂ عاجز دکھائی دیتا ہے کبھی عاشق صادق۔ فرط محبت اور وارفتگی شوق میں اس کا غلو اتنا بڑھتا ہے کہ وہ فراق یار میں تڑپنے لگتا ہے، اسی طرح جیسے ایک عورت فطری طور پر اپنے "پیا" کے فراق میں تڑپتی ہے۔ صوفیائے کرام نے سالک کے دل میں "حب اللہ" پیدا کرنے کے لیے عورت کی

اسی نفسیات کو اپنے "فلسفہ محبت" میں جگہ دی ہے۔ ایسی محبت چونکہ تقشف رطب و یابس اور بے کیفی سے پاک ہوتی ہے اور معمولات زندگی میں اس سے روزآنہ سابقہ پڑتا ہے، اس لیے اردو شاعری میں یہ اپنی مثال آپ ہوتی ہے۔ اس مضمون میں راقم نے اردو کے چند ایسے صوفی شعراء کا کلام منتخب کیا ہے جن کے حمدیہ اشعار میں عشق کی کسک نسائیت لیے ہوئے ہے۔ یہ خالص ہندوی تصور پرستش ہے۔ البتہ بایزید بسطامی کے یہاں "الکامل التام" بزرگوں کے لیے "عرائس اللہ" کی جو اصطلاح ملتی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ خدا سے والہانہ عشق کرنے والے صوفیوں کو انہوں نے "اللہ کی دلہنیں" کہا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ہمارے صوفیہ نے "اصطلاحی معنی" کی بجائے "لغوی معنی" میں قبول کیا ہو اور اسے مقامی رنگ دے کر اس میں شگفتگی و دلآویزی پیدا کرنے کی سعی فرمائی ہو۔

معرفت الٰہی کے رازہائے سربستہ کی عقدہ کشائی کے لیے عقل و فہم جب "پائے چوبیں" ثابت ہوئیں اور باوجود دوڑنے کے وہ آپ سے باہر نہ جاسکیں تو بالآخر "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد" کو انہیں تسلیم کرنا پڑا۔ ذات اللہ کی کنہ میں خرد کی یہ حیرانی و پشیمانی اور تحیر و درماندگی سمجھ میں آگئی تو پھر معرفت الٰہی کے لیے قلب کا سہارا لیا گیا اور طرز دلالت و اصول حکمت کے بالمقابل وجدان و محبت کو وسیلہ بنایا گیا۔ کیونکہ اہل اللہ خوب جانتے تھے کہ "گرمیٔ عشق" سے کائنات کو پگھلایا جاسکتا ہے۔ ع "عشق ساید کوہ را مانند ریگ"۔ عقل کی بجائے روح بالیدہ ہوجائے تو معرفت الٰہی نصیب ہوسکتی ہے اور روح کی بالیدگی کے لیے "محبت" سے بڑھکر کوئی دوسرا وسیلہ نہیں۔ عقل تو "کارافزا" ہوتی ہے جبکہ محبت "روح افزا"۔ اسی لیے

تصوف کے سالاروں نے سالکان حق شناس و ناشناس کی تربیت کے لیے "محبت" پر زور دیا۔ ان کے دل ناتراشیدہ کی تہذیب و تذہیب کی اور "عشق" سے اسے معمور کیا، تاآنکہ وہ سرمدی نشاط آشنا ہو جائے۔ قلب ماہیت کی یہ وہ کارفرمائی تھی کہ دل حق آگاہ معرفت الٰہی کے نور سے جگمگانے لگا۔ خدا کا گھر بن جانے کے بعد دل تمام آلائشوں سے پاک و صاف ہو گیا اور محبت الٰہی سے سرشار صوفی کی زندگی کا مقصود عشق کی سرشاری اور معرفتِ الٰہی رہا ہے۔ حب اللہ میں وہ اس درجہ شدید ہو جاتے ہیں کہ پھر اللہ بھی ان سے محبت کرنے لگتا ہے یہانتک کہ اللہ کے عاشق اللہ کے معشوق بن جاتے ہیں۔ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ ان کا مقصد حیات بن جاتا ہے تو یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ کا پروانہ انہیں اللہ کی طرف سے مل جاتا ہے۔ "عشقنی وعشقتہ" کی یہ کیفیت کتنی وجد آفریں ہے۔ مولانا رومؒ اسی لیے "انسان کی محبت خدا کے لیے" کی بہ نسبت "خدا کی محبت انسان کے لیے" پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اس عشق کا مبداء "سیر فی اللہ" ہے اور منتہا "سیر الی اللہ"۔ عاشقی کے ایسے پُرکیف اور دلنواز واقعات صوفیوں کی زندگی میں ملتے ہیں۔

۱۔ ابراہیم بن مہلبؒ کہتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا۔ میں نے ایک باندی دیکھی جو کعبۃ اللہ کا غلاف پکڑ کر کہہ رہی تھی: "اے میرے سردار! تجھے مجھ سے محبت کرنے کی قسم میرا دل پھیر دے۔" (فضائل حج ص ۱۷۶)

۲۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سات دینار میں ایک باندی خریدی جو دیوانی بتائی جاتی تھی۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو میں نے دیکھا کہ وہ اٹھی اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگی۔ نماز میں اس کی یہ حالت تھی کہ روتے روتے دم نکلا جا رہا تھا۔

پھر اس نے دعا کی اور یوں کہنے لگی: "اے میرے معبود آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم مجھ پر رحم فرما۔" میں نے اس سے کہا: "یوں کہو کہ مجھے تجھ سے محبت رکھنے کی قسم۔"

(فضائلِ نماز)

اس قسم کا ایک واقعہ حضرت سریؒ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خدمت کے لیے ایک باندی خریدی تھی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ کبھی نماز پڑھتی ہے اور کبھی مناجات میں مشغول ہو جاتی ہے اور کہتی ہے، اے میرے رب! آپ اس محبت کے وسیلہ سے جو مجھ سے رکھتے ہیں فلاں فلاں کام کر دیں۔ میں نے آواز سے کہا کہ اے عورت یوں کہہ کہ میری محبت کے وسیلہ سے جو مجھے آپ سے ہے۔ (فضائل نماز) یہ اور اس قسم کے دیگر واقعات جن میں "انسان سے خدا کی محبت" کی ترجمانی ہوئی ہے، کتنے حیات آفریں ہیں؟ لیکن عقلیت پسندوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ "کیا خدا سے محبت کی جا سکتی ہے؟" صوفیہ نے خرد پرستوں کو اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور نصوص قطعیہ سے دلیلیں دی ہیں۔

محبت کے لیے یک گونہ جنسیت از بس ضروری ہے۔ ہم جنس سے وابستگی اور قربت سے جو لطف و حظ حاصل ہوتا ہے اسی کیفیت کا نام محبت ہے۔ اسی سبب وابستگی سے ہم جنسوں میں باہمی کشش پیدا ہوتی ہے۔ روزآنہ کی زندگی میں دوستوں کے درمیان باہمی کشش اور زن و شو کے درمیان پائی جانے والی کشش اس کی مثالیں ہیں۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو دوسری جانب کے رد عمل پر انحصار کرتا ہے۔ بچہ کی مسکراہٹ پہ ماں کی ممتا کیسی چھلک پڑتی ہے؟ چڑیوں کا اپنے بچوں کو بچانے کی خاطر سانپ پر جھپٹ پڑنا، کبوتروں کا ایک دوسرے کی چونچ میں چونچ

ڈال کر فرطِ خوشی میں مست ہو جانا یہ ساری علامتیں تو محبت ہی کی ہیں۔ مولانا رومی جزئیات کو کل کی محبت میں تڑپتا دیکھتے ہیں۔ ان کے یہاں پہاڑ عروجِ عشق کی اور زمین تنزیلِ عشق کی علامتیں ہیں۔ عشق میں جنسیت کی دوسری صورت لذائذِ بہیمیہ کی تکمیل بھی ہے۔ گو یہ بھی عشق کی فطری کیفیت ہی سے عبارت ہے لیکن اس میں محبت کی بجائے ہوس اور وجدان کی بجائے نفس کی کارفرمائی کو زیادہ دخل ہوتا ہے، اور نفس کی پیروی بالعموم شر کی راہیں کھولتی ہے۔ اس لیے شریعتِ مطہرہ نے لذائذِ بہیمیہ کی تکمیل کی احسن صورت بھی نکالی ہے، جو سببِ شوق و دلبستگی اور ذریعہ وارفتگی کا عمدہ نمونہ روئے زمین پر قرار پائی ہے۔ عشقِ الٰہی میں وارفتگی اور افزونی پیدا کرنے کے لیے شاید صوفیائے کرام نے عشقِ مجازی کو مہمیز بنایا ہے اور سماع میں ارضی عشق کرنے والے عشاق کے قصوں کو مباح فرمایا ہے۔ بلکہ بعض صوفیہ نے تو اللہ تعالیٰ سے دل لگانے کے لیے اپنے آپ کو معشوق (بہ شکلِ زن) اور خدا کو عاشق (بصورتِ شو) متصور کیا ہے۔ اس لیے کہ محبت میں ہم جنسیت سے شدت پیدا ہوتی ہے۔ چند واقعات اس نوع کے بزرگوں کی زندگی سے یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ ایک مرتبہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ مولانا شرف الدینؒ کی عیادت کو گئے۔ انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا کہ "جو خدا کو معشوق کہے اس کا چہرہ کیونکر دیکھوں۔ (دہلی کے اکابر صوفیہ مشمولہ معارف دسمبر ۹۰ ص ۴۱۷)

۲۔ حضرت سلطان جی (نظام الدین محبوب الٰہی) سے کسی نے پوچھا کہ آپ میں اور حضرت محبوب سبحانی میں کیا فرق ہے؟ تو فرمایا "وہ بیاہی ستھے

میں آنکھ لگی ہوں"۔ حضرت شاہ آفاقؒ نے اس میں نکتہ بیان فرمایا "آنکھ لگی" میں ایک چوٹ ہوتی ہے کہ بیاہی میں نہیں ہوتی۔ (سلسلۂ چشتیہ کے امتیازات" مشمولہ معارف ستمبر ۹۰ ص ۱۹۸)

۳۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک نو عمر لڑکی کو دیکھا کہ وہ طواف کر رہی ہے اور اشعار گا رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"میں نے اپنے عشق کو کتنا چھپایا مگر اب وہ کسی طرح مخفی نہیں رہتا۔ اب تو اس نے کھلم کھلا میرے پاس ڈیرا ڈال دیا ہے۔ جب شوق کا مجھ پر غلبہ ہوتا ہے تو میرا دل اس کے ذکر سے پھڑکنے لگتا ہے اور اگر میں اپنے محبوب سے قربت چاہتی ہوں تو وہ فوراً مجھ سے تقرب کرتا ہے اور جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں اس میں فنا ہو جاتی ہوں اور وہ میری حاجت روائی کرتا ہے، حتیٰ کہ میں خوب لذت پاتی ہوں اور مزے میں آجاتی ہوں"۔

نسائی جذبات کے حامل ان اشعار میں حضرت جنید کو تلذذِ جنسی کی کیفیت نظر آتی تھی اس لیے انہوں نے لڑکی کو ٹوکتے ہوئے کہا تھا "اے لڑکی تو اللہ سے نہیں ڈرتی، ایسی بابرکت جگہ ایسے اشعار پڑھتی ہے"۔ (فضائل حج ص ۱۷۲)

ان واقعات میں اگرچہ یک گونہ جنسیت کی جھلک عیاں ہے، لیکن یہ باور کر لینا چاہیے کہ لذائذِ بہیمیہ سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں، ہاں! مخالف اجناس میں ایک دوسرے کے لیے کشش ہوتی ہے اور یہ سبب شوق و دلبستگی اور ذریعہ وارفتگی ایک دوسرے کے لیے ہوتے ہیں، اس لیے صوفیائے کرام نے عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کا زینہ قرار دیا ہے اور نصوص و سنن کی شرط لگا کر اباحت کے دائرے میں جگہ دی ہے تاکہ سالک کا عشق باللہ بالیدہ و مزرع ہو۔ ان واقعات کی روشنی میں حضرت

بایزید بسطامیؒ کی "عرائس اللہ" کی اصطلاح بڑی بامعنی نظر آنے لگتی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ صوفیانہ شاعری میں خدا کی ذات کو "عاشق" سمجھنے کی روایت میں یہی جذبہ کار فرما رہا ہو۔

اردو کی قدیم صوفیانہ شاعری میں اس نوع کی وافر مثالیں ملتی ہیں۔ پیو/ پیا پریتم/ سکھا/ سائیں/ گسائیں/ ساجن وغیرہ مذکر الفاظ خدا کے لیے استعمال کیے گئے ہیں اور اس کے فراق میں تڑپتے رہنے کی نسائی کیفیت کو اپنے اشعار میں صوفی شعراء نے قلم بند کیا ہے۔ صوفیانہ طرز میں ایسے حمدیہ اشعار ذیل میں بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ قدیم اردو کے شعری محاسن سے معریٰ اشعار طبع لطیف پر گراں اور باعث انقباض ہوں گے، اس لیے چند ہی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اردو کی قدیم صوفیانہ شاعری میں شیخ بہاءالدین باجن (م ۱۳۰۸ء) کا کلام پروفیسر شیخ فرید برہانپوری کی محنت شاقہ سے منظر عام پر آگیا ہے۔ آپ نے نہایت عرق ریزی سے دقائق باجن کو حل کرنے کی سعی فرمائی ہے اور اشعار کے صحیح مطالب تک پہونچنے کی کوشش کی ہے۔ باجن کی زبان غیر مانوس ہے اور طرفہ یہ کہ ابہام کا رنگ غالب ہے۔ تصوف کے نکات کو شاعر نے عقدہ ادریں میں بیان کیا ہے۔ خدا کی ثنا میں باجن کے درج ذیل اشعار میں نسائیت ٹپکتی ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

منھ لیوں بھر لیوں تیرا ناؤں کریم ورحیم تیرا ناؤں
باجن جیو جیوے تجھ ناؤں بھرپور رہیا تو سب ٹھاؤں
تجھ ناؤں کی میں ہوئی واری جاؤں

ذکر خداوندی میں رطب اللسان رہنے والے باجنؔ بابرکت زندگی کی اصل وجہ خدا کے نام (ذکر اللہ) کو قرار دیتے ہیں جو سب کے قریب ہے۔ اسی لیے باجن اس کے

نام پر واری (صدقہ) جاتے ہیں۔ قابلِ غور نکتہ ان اشعار میں عورتوں کی زبان کا استعمال ہے۔ آخری مصرع میں نحوی ساخت کے لحاظ سے فاعل "میں" کی ضمیر ضمیرِ تانیث ہے جو اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ شاعر موصوف بہ محبت اپنے تئیں عورت خیال کرتا ہے اور حق سبحانہ تقدس کو "عاشق"۔

صوفیوں کے یہاں اوراد و اذکار میں "ذکر اللہ" کی بڑی اہمیت ہے۔ صوفیٔ صادق ساری زندگی موت آنے تک "ذکر اللہ" کو اپنا شعار بنائے رہتا ہے۔ کثافتِ باطنہ کو زائل کرنے اور نفس و قلب کے تزکیہ کے لیے صوفیائے کرام ذکر خفی، ذکر جہری، دو حلقی، سلطان الاذکار اور حبس دم وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ اللہ کی یاد سے کوئی لمحہ غافل نہ رہ سکے۔ حضرت معاذؓ کو حضورؐ نے فرمایا تھا "ان تموت ولسانک رطب من ذکر اللہ" یعنی اس حال میں تیری موت آئے کہ اللہ کے ذکر میں رطب اللسان ہو۔ یہ تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں مذکورہ بالا باجن کے اشعار کتنے بامعنی محسوس ہوتے ہیں۔ محاسن شعری سے عاری یہ اشعار اپنے اندر سالک کے لیے درس کا خزانہ چھپائے ہوئے ہیں۔

باجن اللہ رب العزت (سائیں) کی خوشنودی کے لیے اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے کہ یہ زندگی محض اس کی عطا کا نتیجہ ہے۔ وہ جب مانگے تب دے دوں، ہاں! البتہ جب تک حیات باقی ہے تب تک اس ذات سے لذت یاب (بھوگ) ہوتا رہوں گا۔ شاعر نے درج بالا معنی کے اشعار میں چونکہ نسائی جذبات اور زبان کا استعمال کیا ہے، اس لیے وہاں "لذت یاب ہوتی رہوں گی" پڑھا جائے گا۔

صوفیانہ شاعری میں حمدیہ اشعار میں اس روایت کو قاضی محمود دریائی (م ۱۵۳۴ء) نے بھی آگے بڑھایا ہے۔ ان کے سارے کلام میں فراق زدہ معشوق کو اپنے "پی" سے ملن کی آس ہے۔ فراق میں تڑپتی ہوئی "پیاری" اپنے "پی" کے درشن کے لیے ساری رات جاگ کر گزارتی ہے۔ وہ اس لیے بھی کہ اس کے "پیا" کو نہ نیند ہے نہ اونگھ۔ جب "پیا" ایسا ہو تو پیاری کیونکر سوئے ؎

سوتی میت نہ پاوے کوئے

جس کے شہ کوں اونگ نہ آئے سو دھن کیوں سورین گنوائے

یہاں "شہ" سے مراد اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ جس کا وصف یہ ہے کہ "لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" (سورۃ بقرہ ۲۵۵) جب وہ نہیں سوتا یا اسے اونگھ نہیں آتی تو پھر اے سکھی! سو کر ہم کیوں رات گنوائیں۔ قاضی محمود دریائی کے یہاں اس طرح وصل کی خواہاں "پیاری" کے جذبات جابجا بکھرے ہیں۔ جن میں ہندوی رنگ غالب ہے۔

اس ادبی روایت کی پیروی کرنے والے شیخ علی محمد جیو گام دھنی (م ۱۵۶۵ء) کا کلام اسرار اللہ کا ترجمان ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "جواہر اسرار اللہ" میں دیوانِ شت اور اسلامی تعلیمات کے سہارے اسرار اللہ کی عقدہ کشائی کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ مشکل پسند شاعر ہیں اور تصوف کے ادق مسائل کو اشاروں کنایوں میں بیان کرنے کی وجہ سے ان کا کلام اور بھی زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ ان کے یہاں خدا کی حمد وثنا کے گیتوں میں نسائی جذبات کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔ عورتوں کی زبان، محاورے اور ضرب الامثال کے استعمال سے ان کی شاعری میں نسائیت عود کر آئی ہے۔

یہ جیو تو رہتا نہیں ہور من دوکھ سہتا نہیں

مجہ جگ کیے جتا نہیں پیو باج مجہ گمتا نہیں

شیخ علی محمد جیو گام دھنی کی شاعری کا خاص موضوع وحدۃ الوجود ہے۔ عورتوں کی زبان میں انہوں نے اسے مختلف پیرایے میں بیان کیا ہے۔

آپس کوں توں پیو پچھانے پیو کوں توں کو دور جانیں

تو کیوں پاوے یو من آنے

شاہ علی جیو پیو پچھانوں علی محمد دوئی منجانوں

ایک وجود ہے من لیاؤں

صوفیوں کے یہاں "چہار وجود" مانے گئے ہیں۔ واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود اور چہارم عارف الوجود۔ عارف الوجود کی راہ معرفت اور منزل لاہوت ہوتی ہے۔ اس منزل میں فنا فی الفنا نصیب ہوتی ہے۔ سالک اپنی ذات کو مشاہدہ حق میں محو کر دیتا ہے۔ جہاں پہنچ کر سالک کو بجائے "تو" کے "میں ہی میں" نظر آنے لگتا ہے۔ جیو گام دھنی اپنے پیو کو اسی منزل پر تلاش کرتے ہیں تو حالت یوں ہو جاتی ہے ؎

ڈھونڈن نکلی پیو کوں، آپس گئی سو کھوے

جیدھر دیکھوں سو ایک ہوں منج بن اور نہ کوے

میر دردؔ نے اس خیال کی توضیح بڑے نرالے انداز میں کی ہے۔ کہتے ہیں ؎

واہ واہ! قسمت کی بھی جوری کو دیکھا چاہیے

وہ ہوا بے پردہ، اب ہم اس کو "ہم" کہنے لگے

غالبؔ نے بھی "ہے اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے" میں اسی نکتہ کو

بیان فرمایا ہے۔ مشاہدہ حق کی گفتگو کا یہ انداز جس میں تخاطب عورت کی جانب سے ہے، بڑا دلآویز ہے۔ "تلاش یار" میں جوگن بن کر نکلنے کی سماجی ریت ہندوستانی معاشرت کا جز رہی ہے۔ اس "ریت" کو ہمارے صوفی شعراء نے "شدید محبت" کی علامت پر استوار کیا ہے اور اپنے اشعار میں اسی مفہوم میں اس کے استعمال کو روا رکھا۔ چنانچہ علی محمد جیو گام دھنی کی متابعت میں حضرت شاہ نیاز بریلوی بھی جوگن بن کر اپنے "پی" کو ڈھونڈھنے نکل جاتے ہیں ؎

جوگنیا کا بھیس بنا کے پی کو ڈھونڈھن جاؤں

نگری نگری دوارے دوارے پی پی بند سناؤں (دیوان نیاز ص ۱۴۳)

لیکن "پیو" جب پاس ہی ہو تو پھر یہ تلاش کیسی؟ شاہ ابوالحسن قادری نے "سکھ انجن" میں "پیو" کے قرب کو قرآنی زبان میں سمجھایا ہے ؎

شہ رگ تے پیو ہے پیو کوں پایا سو جیو ہے (سکھ انجن ص ۱۱۷)

شاعر کا اشارہ یہاں "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" کی طرف ہے۔

غرضکہ اردو کی متصوفانہ حمدیہ شاعری میں شعراء نے مقامی رنگ اختیار کیا ہے۔ یہاں کی ادبی روایات، اساطیر اور صنمیات کے زیر اثر انہوں نے اسلامی اقدار کو پیش کرنے کی کوشش کی اور اپنی تعلیمات کو موثر بنا کر عوام الناس تک پہنچایا۔ بندوں کا خدا سے رشتہ جوڑنے اور اس کی لو میں لگانے کے لیے انہوں نے عشق مجازی کے انتہائی اساسی جذبے "جنسیت" کی قیاسی اساس پر عشق حقیقی کا قصر تعمیر کیا اور سالکان تشنہ کام کے دلوں کو عشق الٰہی سے معمور کیا۔ جنسیت زدہ اس مجازی عشق نے کہیں کہیں بوالہوسی اور امرد پرستی

کے لیے راہیں بھی ہموار کر لیں اور بقول احتشام حسین "کہیں کہیں عاشق و معشوق کی صورتیں نر و مادہ میں بدل دیں"۔ لیکن مجازی عشق کو عشق حقیقی کی مہمیز بنانے کی اصل وجہ وہ نفسیاتی ردعمل ہے جو مخالف جنس میں ایک دوسرے کے لیے فطری طور پر پیدا ہو جاتا ہے، جسے ہم جنسی محبت کہہ سکتے ہیں۔ جنسی محبت فطری ہوتی ہے اور عقیدے کی محبت غیر فطری۔ یہ محبت ایمان سے جلا پا سکتی ہے۔ جہاں ایمان میں ضعف آیا یہ محبت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اس کے برخلاف جنسی محبت قوت بہیمیہ پر موقوف ہے اور ہوس کی صورت میں آدمی کے اندر پروان چڑھتی ہے اس لیے قید حیات تک آدمی کے ساتھ رہتی ہے۔ یہ محبت اور میلان خدا کے تئیں ہو جائے تو بندے کو قرب الٰہی نصیب ہو جاتا ہے۔ اہل طریقت کے یہاں یہی مقصد زندگی ہے۔ اس کیفیت کو حاصل کرنے کے لیے صوفیائے کرام نے مجازی عشق کو زینہ بنایا اور خدا سے کی جانے والی محبت کو نسائی انداز میں پیش کیا۔

اخبار علمیہ

براعظم افریقہ کے ملک نائیجیریا کی یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں اسوقت اسلامی
علوم بالخصوص افریقہ میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر قابل قدر کام ہو رہا ہے جنوبی افریقہ
اور ہندوستان کے بعض ممتاز علمی مجلوں میں وہاں کے اہل قلم محققین کے مضامین برابر
شایع ہوتے رہتے ہیں' حال ہی میں وہاں سے شایع ہونے والی ایک عمدہ اور مفید کتاب
اسکالرس اینڈ اسکالرشپ ان دی ہسٹری آف بورنو کا علم ہوا، اس کتاب میں بورنو
کی تاریخ اور اس کے ثقافتی سرمایہ و ورثہ کے متعلق نہایت تحقیق و محنت سے معلومات
فراہم کیے گئے ہیں، کتاب کی مصنفہ حیا ہمساتو زنالا مینو کا تعلق بورنو ہی سے ہے،
انہوں نے اپنے ملک کی تاریخ لکھ کر اس افریقی سلطنت' وہاں کے عوام اور تہذیب
کی مفصل تاریخ پیش کرنے کے علاوہ اس خطہ بلکہ پورے مغربی افریقہ میں اسلام کی
آمد و اشاعت کی مکمل سرگزشت بھی بیان کر دی ہے، سترہویں صدی سے موجودہ دور
تک بورنو میں مذہب' معاشرہ اور ملکی سیاست کی باہمی کشمکش اور اس کے اثرات کا
جائزہ اس خوبی سے لیا گیا ہے کہ اس سے بعض ایسے تاریخ نگاروں کی غلط بیانیوں کا
رد بھی ہو جاتا ہے جنھوں نے اس پورے علاقہ میں اسلامی تعلیمات کی کشش اور اثر
کی اہمیت بیان کرنے سے دانستہ تجاہل برتا ہے، بورنو کے معاشرہ اور سیاست میں
علماء کا خاص کردار رہا ہے، کتاب میں ان کے اثر و نفوذ کا جائزہ لے کر بتایا گیا ہے کہ

معاشرہ سے براہ راست تعلق رکھنے اور تعلیمی نظام کو مستحکم کرنے میں ان علماء کی کوششیں
کس درجہ بارآور ثابت ہوئیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ باب بورنو کی عملی سیاست میں
علماء کے تعمیری اور مثبت کردار کے متعلق ہے، انہوں نے اپنے غیر معمولی اثرات کے
باوجود وہاں اقتدار کی کشمکش اور سیاست سے خود کو الگ رکھا اور حکومت
و اقتدار کے حصول کو اسلامی علم و دانش کے فروغ کا لازمی جزو قرار نہیں دیا، ان کا یہ
طرز عمل انیسویں صدی کے آغاز تک باقی رہا لیکن اس کے بعد حالات کے زیر اثر
شیخ محمد الامین الکانمی کی تحریک شروع ہوئی جو اس دور کی سیفاوا حکومت کے
مقابلہ میں علماء کی مرکزی تحریک بن گئی، کتاب میں اس کی تاریخ اور شیخ الکانمی
کے خیالات کو بھی جامعیت سے پیش کیا گیا ہے، آخر میں بورنو کی زبان کانوری اور
عربی کے بعض ایسے الفاظ کا فرہنگ بھی دیا گیا ہے جس کے بغیر بعض عبارتوں کا سمجھنا
آسان نہیں تھا۔

گذشتہ دنوں تہران سے ایک اہم کتاب کتاب الشکوک (METHODICAL -
DOUBTS AT THE DISADVANTAGE OF JALINUS) کے
نام سے شایع ہوئی یہ دراصل مہدی موہاغیغ (MOHAGHEGH) کے ان
دو تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے امام ابوبکر بن زکریا بن یحییٰ رازی کے
متعلق دو عالمی سیمناروں میں پیش کیے تھے اور بعد میں یہ الگ الگ شایع بھی ہوئے
تھے، کتاب الشکوک اصلاً جالینوس عرب حکیم رازی کی کتاب ہے جس میں انہوں نے
حفظان صحت کے متعلق حکیم جالینوس کے بعض خیالات کی صحت پر اشکال ظاہر
کیے تھے، ان میں دواؤں کے استعمال' امراض سے تحفظ، غذا اور درد والی بیماریوں کے

اسباب وعلامات پر جالینوس کے خیالات کے اغلاق وابہام پر حکیم رازی نے خاص طور پر اعتراضات کیے تھے، ان کے علاوہ افلاطون اور بقراط کے متعلق جالینوس کی بعض رایوں سے ان کو اتفاق نہیں تھا، مترادفات کے ابہام اور زبان کی پیچیدگی سے جالینوس کے خیالات میں معنوی تعطل بھی پیدا ہوگیا تھا، سابقوں اور لاحقوں کی کثرت بھی محتاج تعبیر وتشریح تھی، رازی نے ان مباحث کا تجزیہ کرکے اصل خیالات کی بے ربطی بھی واضح کی تھی، ان خصوصیات کی بنا پر کتاب الشکوک کی اہمیت ظاہر ومسلم ہے، فاضل مرتب نے اپنے مفصل مقدمہ میں حکیم رازی کے طریقہ تنقید پر بحث کرنے کے علاوہ کتاب الشکوک کے مخطوطات کی دریافت کی داستان بھی تحریر کی ہے، اس نادر کتاب کے دو مخطوطے ایران میں اور ایک ترکی میں موجود تھے، ان تینوں کے مقابلہ سے معلوم ہوا کہ یہ قریب العہد کے مخطوطے ہیں اور تینوں کا ماخذ بھی ایک ہی ہے، ان کی عبارتوں میں کہیں بھی فرق و اختلاف نہیں پایا جاتا، حتیٰ کہ ان کے اغلاط بھی یکساں ہیں، کتاب میں تحقیق وتدوین کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اعلیٰ تصنیفات کا جوہر شمار ہوتی ہیں۔

دور جدید میں معاشیات کا شمار اہم علوم میں ہوتا ہے، خوشی کی بات ہے کہ اب اسلامی معاشیات کے موضوع پر بھی توجہ دی جارہی ہے، اس سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بعض اساتذہ وماہرین معاشیات کے زیر نگرانی انگریزی زبان میں ایک خبرنامہ اسلامک اکانومک بلیٹن کے نام سے شایع ہوتا ہے، گو یہ نہایت مختصر یعنی کل چار صفحوں کا ہوتا ہے، لیکن جامعیت واہمیت میں کم نہیں ہے، اداریہ، خبروں، تبصروں اور سب سے بڑھ کر اسلامی معاشیات پر تازہ ترین کتابوں اور مضامین کے اشاریے نے اسے پر از معلومات بنادیا ہے، اس کے تازہ شمارہ سے

فضل الرحمن فریدی کی کتاب اسلامک پرنسپلس آف بزنس آرگنائزیشن اینڈ مینیجمنٹ اور لندن سے شایع ہونے والی جاوید احمد خاں کی کتاب اسلامک اکانومکس اینڈ فنانس کا علم ہوا، توقع ہے کہ یہ خبرنامہ جلد ہی ایک وقیع مجلہ کی شکل اختیار کرے گا،

پتہ یہ ہے: IAFIE ۴-۱۲۱۲ سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲۔

سائنسی علوم میں حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے تو داستان پارینہ کا حصہ بن کر رہ گئے ہیں لیکن اب بھی کچھ ایسی خبریں آجاتی ہیں جن سے اس خاکستر میں دبی بعض چنگاریوں کا پتہ چلتا ہے، جیسے گزشتہ دنوں جرمنی میں دل کا ایک نہایت نازک وپیچیدہ آپریشن ہوا جو اپنی نوعیت کا دنیا میں پہلا آپریشن تھا، اس میں خشک عضلات قلب کو دوبارہ کارآمد بنادیا گیا، یہ آپریشن سعودی عرب کی شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی کے ڈاکٹر حسین رافت نے کیا جو جدہ کے شاہ فہد مرکز جراحت وامراض قلب کے سربراہ بھی ہیں، جرمنی کے ڈاکٹروں نے اس آپریشن کے لیے خاص طور پر ڈاکٹر حسین رافت سے درخواست کی تھی۔

علم فلکیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ خبر آج کل موضوع گفتگو ہے کہ فضائے بسیط میں ایک ایسے بادل کا مشاہدہ کیا گیا ہے جو کہ وربالیٹر شراب سے لبریز ہے، یہ شرابی بادل جسامت میں پورے نظام شمسی سے بھی بڑا ہے، اندازہ ہے کہ اس سے ۴۰۰۰ ٹریلین پنٹس (ایک قسم کا پیمانہ) بیئر حاصل ہوسکتی ہے یہ ۱۰۰۰۰ نوری سال کی مسافت پر ستاروں کے ایک جھرمٹ کے نزدیک نو دریافت ستارہ G.34.3 کے نزدیک دیکھا گیا ہے، برطانیہ کے تین سائنسدانوں نے ہوائی کی رصدگاہ سے اس کا مشاہدہ کیا، ایک شاہد ڈاکٹر میکڈانلڈ کا اندازہ ہے کہ

اگر اس بادل کو بیئر بنانے کے لیے استعمال کیا جائے تو اگلے ایک کرور سال تک دنیا
کے ہر شخص کے لیے روزانہ .... ۳۰۰ بڑے بڑے ساغر تیار ہوتے رہیں گے، یورپ کے
علم والوں نے اپنے پیمانوں کے مطابق اسے بیئر سے تعبیر کیا ہے لیکن غیب کے علم کا اعتقاد
رکھنے والے اسے وانہار من خمر لذۃ للشاربین کا محض ایک مظہر سمجھ کر خالق کائنات کی
موعود نعمتوں کے انتظار کی لذت سے سرشار ہوتے رہیں گے۔

سائنسدانوں نے اب اس بات کے پختہ ثبوت فراہم کرنے میں کامیابی حاصل کی
ہے کہ نیوٹرنیاس (NEUTRINOS) نامی انتہائی خفیف ذرات، کائنات کا
سب سے وافر مادہ ہیں، یہ ذرات اس درجہ ہلکے ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق یہ مستقل
رائے تھی کہ یہ بے جسم ہیں، نیو میکسیکو کی نیشنل لیبوریٹری کے سائنسدانوں کے اس
دعویٰ کا مطلب یہ ہے کہ یہ خفیف ترین ذرات کائنات کے اس گم شدہ مادہ کا جواب
ہو سکتے ہیں جس کے متعلق یقین کیا جاتا ہے کہ کائنات کی تشکیل و تجسیم اسی مادہ سے
ہوئی ہے اور اس گم شدہ مادہ کی نا تمام فہرست کو مکمل کرنے میں یہ نیوٹرونو صد درجہ
معاون ثابت ہوگا اور اب اسی کے ذریعہ یہ تعین کرنے میں بھی آسانی ہوگی کہ یہ
کائنات خود بخود ہوا میں تحلیل ہو جائے گی، یا کسی تصادم کی وجہ سے اپنے
طور پر شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہوگی یا کوئی اور درمیانی راستہ اپنائے گی،
ماہرین کے نزدیک اس جدید نظریہ میں جان ہے کیونکہ مادہ کی وہ کمیت جو عالم افلاک
میں ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں میں دیکھی جاتی ہے وہ کشش ثقل سے متعلق
ان اثرات کی صحیح توجیہ سے قاصر ہے جو اور اجسام سماوی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

ع۔ ص۔

معارف کی ڈاک

مکتوب بریلی

۱۳-۲-۹۵[۱]

محب مکرم! السلام علیکم

میرے ذخیرۂ کتب میں علامہ شبلی کی ایک نصابی کتاب برآمد ہوئی ہے۔ نام
کتاب انٹرنس کورس فارسی برائے امتحان انٹرنس الٰہ آباد۔ مرتبہ جناب مولانا محمد شبلی
صاحب نعمانی سابق پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڑھ در مطبع فیض عام واقع
علی گڑھ۔ تعداد صفحات ۲۲۴۔ تاریخ اشاعت یا طباعت، کوئی مقدمہ وغیرہ، کچھ
نہیں ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا علامہ شبلی نے اس کتاب کے علاوہ کوئی اور
نصابی کتاب بھی مرتب کی تھی؟ کیا علامہ شبلی کی مرتب کردہ نصابی کتابوں سے اسکے
معترفین و ناقدین واقف ہیں یا نہیں؟

محبی میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔

احقر العباد

لطیف حسین ادیب

۱؎ مکتوب جب ملا تو اس مہینہ میں اشاعت کی گنجایش نہیں نکلی۔ اس کو شایع کرنا اسلئے
ضروری تھا کہ ممکن ہے کوئی صاحب علم و ادب اس پر روشنی ڈالیں۔ حیات شبلی میں اسکی جس قدر
تفصیل ہے وہ مکتوب نگار کے علم میں ہے۔ "ض"

مکتوب علی گڑھ

علی گڑھ

یکشنبہ ۲۲/۱/۹۵ء

اصلاحی صاحب مکرم و محترم ! السلام علیکم

مکرمت نامہ ۹ جنوری یہاں ۱۶ کو پہنچا۔ ممنون ہوا۔

مصروفیات اور کچھ علالت کی وجہ سے کتنجا نہ خدا بخش کے سمینار میں دہلی نہ جا سکا مضمون لکھ کر بھیج دیا تھا اور شرکت سے معذرت کرلی تھی۔ اس زمانے میں ایوان غالب دہلی میں غالب سمینار ہو رہا تھا۔ اس میں بھی شریک نہیں ہو سکا۔

۲۸ کو انشاء اللہ آپ سے ملاقات کی مسرت حاصل کروں گا۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی صاحب پر مضمون علی گڑھ کے رسالے فکر و نظر میں چھپا تھا۔ پندرہ سال سے رسالہ پابندی سے میرے پاس آتا رہا اور اس کے لیے ایک سطر کبھی نہیں لکھی۔ یہ مضمون وہیں چھپا اور ہماری زبان میں نقل ہوا۔ پاکستان میں بھی سنا ہے نقل ہو رہا ہے۔ معارف کو میں کیسے بھول سکتا تھا! لیکن یہ مجبوری رہی۔

ہاں ان ترک عالم کا نام پروفیسر ذکی ولیدی طوغان ہے[1] لیکن اب تو شذرات کی کتابت ہو چکی ہوگی۔

آپ کی علالت سے تردد ہوا دعا ہے کہ آپ کو خدا شفائے عاجل و کامل عطا فرمائے۔

والسلام : مختار الدین احمد

---

[1] اس ضروری مکتوب کی اشاعت میں بھی تاخیر ہوگئی تھی وضاحت کے لیے جنوری کے معارف میں موصوف کا مکتوب ملاحظہ ہو۔

مکتوب چمپارن

مغربی چمپارن

۲۴/۳/۹۵ء

مخدومنا المکرم زید مجدکم ! السلام علیکم

خدا کی ذات سے امید ہے کہ آپ کی پیر کی تکلیف دور ہو گئی ہوگی۔

پچھلے دنوں جنتا دل کے ایک امیدوار کی طرف سے عبید اللہ خاں اعظمی ہمارے علاقے دیوراج میں آئے تھے۔ انہوں نے ایک مجمع میں تقریر کے دوران فرمایا۔ ہندوستان میں دو لٹیرے آئے۔ پہلا محمود غزنوی جو سومنات کے مندر پر حملہ کر کے بے شمار خزانے ہندوستان سے لوٹ کر لے گیا۔ دوسرا اڈوانی جنہوں نے پاکستان سے آکر ہندوستان کے امن و امان کو تہہ و بالا کر دیا جس کے نتیجہ میں بابری مسجد منہدم ہوئی۔

عبید اللہ خاں اعظمی کی تاریخ دانی پر حیرت ہے۔ محمود غزنوی جیسے عدل پرور بادشاہ سے اڈوانی جیسے غارت گر امن کا کیا تعلق؟ عبید اللہ خاں کو معلوم نہیں کہ سومنات کے مندر میں ایک نئے مہنت کی جانشینی کا جھگڑا تھا۔ چنانچہ ایک فریق نے فوج کے ساتھ آنے کے لیے سلطان محمود کو دعوت دی۔ سومنات کا مندر جو ایک طرف مال و دولت اور عیش و عشرت کا مرکز بن گیا تھا وہیں دوسری طرف اس کے مہنت مظلوم رعایا کے مقابلہ میں ظالم راجاؤں کی حمایت کرتے تھے محمود غزنوی نے جن ہندوستانی راجاؤں کو شکست دے کر ان سے اطاعت کا عہد لے کر معاف کر دیا تھا وہ راجہ سومنات کے مندر کو مافوق الفطرۃ طاقت کا منارا

خیال کرکے اس وہم میں آمادۂ بغاوت ہوگئے تھے کہ جب تک مندر کا وجود رہے گا کوئی طاقت ہندوستان کی تسخیر نہیں کرسکتی۔ ایسے حالات میں محمود غزنوی نے ۱۰۲۵ء میں سومنات پر حملہ کرکے مندر کی آڑ میں کی جانے والی برائیوں اور شرانگیزیوں کا قلع قمع کیا تھا۔ لہذا محمود غزنوی کو لٹیرا کہنا نہ صرف تاریخ کا مذاق اڑانا ہے بلکہ اپنی جہالت کے اعلان کے ساتھ برادران وطن کو خوش کرنے کا ذلیل ترین شیوۂ سیاست ہے۔ خانصاحب کو اپنے مشہور و معروف ضلع کے اس علمی ادارے [دارالمصنفین] کی عظمت کا بھی خیال نہیں آیا جس نے گوناگوں دینی و علمی خدمات کے علاوہ تاریخ نویسی میں وہ نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے جس کی مثال برصغیر کی کسی اکیڈمی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

فروری ۱۹۹۵ء کے معارف میں نظم کی اشاعت پر تہہ دل سے ممنون ہوں۔ ایک تازہ ترین غزل ارسال خدمت ہے، شاید پسند آجائے۔

ہمارے یہاں سے پورب دکھن کی جانب تقریباً ۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک قصبہ "لوریا" ہے "لوریا" ہمارے علاقہ دیوراج کا بلاک اور گرام ہے۔ یہاں ایک میدان میں اشوک کا لاٹ ہے۔ اس لاٹ پر دکھن جانب تقریباً ڈیڑھ فٹ اوپر کلمہ طیبہ کندہ کیا گیا ہے اور اس کے ٹھیک نیچے نہایت ہی خوشخط میں محی الدین اورنگزیب عالمگیر غازی ۱۱۰۰ھ کندہ ہے، سن پر ہجری کی علامت مٹ گئی ہے، تاریخ میں ضلع چمپارن میں عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے آنے کی شہادت ملتی ہو تو اس کی تفصیل سے آگاہ فرمائیں[۱]۔

ان دنوں طبیعت کیسی ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو بعافیت تمام رکھے۔ آمین!

والسلام : وارث ریاضی

---

[۱] اس کا جواب آیندہ شمارہ میں دیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

وفیات

جناب رام لعل نابھوی

قارئین معارف اور اردو کے شیدائیوں کو جناب رام لعل نابھوی کے انتقال کی خبر سُن کر بڑا دکھ ہوگا، وہ ہندوؤں کی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جو اردو کو اپنی زبان اور مسلمانوں سے زیادہ اس پر اپنا حق سمجھتی تھی، وہ کہتے تھے کہ نہ زبان کا کوئی مذہب ہے اور نہ اس پر کسی قوم اور گروہ کی اجارہ داری ہے

ع پروانہ چراغ دیر و حرم نہ داند

رام لعل صاحب بڑے زود نویس تھے مگر انکا قلم پختہ اور منجھا ہوا تھا اور وہ موزوں طبع بھی تھے خاکہ و مزاح نگاری میں انکو زیادہ کمال حاصل تھا لیکن انکا اصل میدان تلاش و تحقیق تھا، پچھلے کئی برسوں سے معارف میں انکے مضامین برابر شایع ہو رہے تھے، اپنی اس کد و کاوش سے وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ہندوؤں کے پُرکھوں نے اردو ہی نہیں فارسی اور عربی کی بھی مفید خدمت انجام دی ہے اور مسلمانوں کے بزرگوں کی خدمات برج بھاشا اور سنسکرت میں کم نہیں ہیں۔

ہندو مذہب میں راسخ العقیدگی کے باوجود وہ مسلمانوں سے بغض و نفرت نہیں کرتے تھے، دوسرے شریف ہندوؤں کی طرح انہیں بھی بابری مسجد مسمار کیے جانے پر بڑا دکھ تھا مگر وہ یہ کہتے تھے کہ بعض مسلمانوں نے بھی مندر توڑے ہیں اس لیے ان واقعات کو بار بار دہرانے سے زخم ہرا ہوگا۔

دل میں دردمندی، طبیعت میں شرافت، مروت اور انکسار تھا، ایک بار لکھنؤ میں ملاقات ہوئی تو انکی ان خوبیوں اور علم و ادب سے شغف و انہماک کا اندازہ ہوا، مجھے لیکر کئی کتبخانوں اور کتابوں کی دوکانوں پر گئے اور جلدی جلدی کچھ نوٹ تیار کیا، اس پر متاسف تھے کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے میرے ساتھ ندوہ کا کتب خانہ دیکھنے نہ جاسکے۔

انکے صاحبزادے امریکہ میں رہتے تھے وہ اپنی ماں کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے، صاحبزادی اپنے گھر رہتی تھیں، اصرار کے باوجود انکے یہاں جانا گوارا نہیں تھا، اپنے گوشۂ عافیت میں بیٹھکر قرطاس و قلم سے واسطہ رکھتے، پڑھنے لکھنے میں ایسا محو ہو جاتے کہ دن دن بھر کھانے کا خیال نہ ہوتا، صحت کبتک ساتھ دیتی آخر کینسر کا مرض جان لیوا ثابت ہوا۔

"ض"

ادبیات

مزار اقبال پر حاضری

(حسن تصور)

از ڈاکٹر محمد حسین فطرت بھٹکلی۔

اے کہ تو زندہ ہے گو خوابیدہ ہے زیر مزار
نقش پائندہ ہیں تیری فکر کے نقش و نگار

تو وہ عارف، موت بھی جس کو ہے جام زندگی
ڈھل نہیں سکتا کبھی ماہِ تمام زندگی

تیرے آگے جاوداں ہر دم جواں ہے زندگی
موت کی آغوش میں بھی نغمہ خواں ہے زندگی

تیرے "شکوے" میں فراست کی عجب تنویر ہے
اور "جواب شکوہ" خون دل کی اِک تحریر ہے

تیری پروازِ تخیل کا نہیں کوئی جواب
تیری دنیا میں زمیں سے ہے طلوعِ آفتاب

تو نے ملت پر کیا یہ خاص نکتہ آشکار
حیدری قوت کا تھا نانِ جویں پر انحصار

قول یہ تیرا حقیقت میں ہے دانائی کا پھول
جو غلام عقل ہو، دل تو نہ کر ایسا قبول

دیدۂ بیدارِ ملت کو ترا انعام ہے
تیرا پیغامِ خودی اک جانفزا پیغام ہے

رسم و راہِ شاہبازی کا دیا تو نے پیام
ہے متاعِ بندۂ مومن تب و تاب دوام

چشم ظاہر بیں میں گرچہ تو یہاں خوابیدہ ہے
تیرا مسکن در حقیقت ہر دلِ غم دیدہ ہے

بن کے دھڑکن ہر دلِ بیدار میں پنہاں ہے تو
اشک بن کر زینتِ ہر دیدۂ گریاں ہے تو

اس لیے سکتے میں ہیں اہل کلیسا و کنشت
مردِ مومن کو تری بخشش ہے طوفانی سرشت

تو سراپا سوز تھا اے زمزمہ خوانِ رسولؐ
تیری نعتوں میں مہکتے ہیں خلوص دل کے پھول

تو شدا حبِ نبیؐ میں محو تھا فریاد میں
تیرے آنسو ڈھل گئے شعروں میں انکی یاد میں

میں ہوں اک رہگیر دو پل ہے یہاں میرا قیام
زندگی پیہم سفر ہے تھا یہی تیرا پیام

میں بھی ہوں اک رہ نورد جادۂ عزم و عمل
میرا مقصود سفر ہے جلوۂ حسن ازل

صاحبِ معراجؐ کا اک امتی ہوں اس لیے
بام رفعت پہ ہیں روشن میری ہمت کے دیے

میں ہوں رفعت آشنا پستی مری منزل نہیں
میرے آگے عرش اعظم ہے مہ کامل نہیں

زیرِ تربت سونے والے تجھکو فطرت کا سلام
رہتی دنیا تک رہے گا سب کے لب پر تیرا نام

اے میرے ہم سفر

از جناب عطا عابدی صاحب، دہلی

اے میرے ہم سفر نہیں مشکل ہے یہ سفر

تاریک شب ہو یا کہ ہو وہ جلتی دوپہر
رکھ مقصدِ حیات پہ ہر لمحہ تو نظر

کم مائگی کا اپنی نہ بھولے سے رنج کر
کیوں ہے اداس دیکھ کے یہ راہ پُرخطر

"لاتقنطوا" کو اب بھی بنا اپنا راہبر

اے میرے ہم سفر نہیں مشکل ہے یہ سفر

راہ سفر میں ایسے ٹھکانے بھی آئیں گے
شامل حقیقتوں کے فسانے بھی آئیں گے

ہمدرد بن کے غیر یگانے بھی آئیں گے
رستے سے تجھکو لوگ ہٹانے بھی آئیں گے

چوکنے کان بھی ہوں کھلی ہو اگر نظر

اے میرے ہم سفر نہیں مشکل ہے یہ سفر

لڑ اپنے نفس سے تجھے لڑنا ہی ہو اگر
مرنے کا شوق ہو تو شہادت کی موت مر

ڈرنا جو ہو، مالک ارض و سما سے ڈر
کرنا جو کچھ ہو کل تو اسے آج اٹھ کے کر

کل پر نہ ٹال، آئے گا کل یہ کسے خبر؟

اے میرے ہم سفر، نہیں مشکل ہے یہ سفر

سچ ہے کہ مفسدوں کا ہے لشکر چہار سمت — بڑھنے لگا ہے زور ستمگر چہار سمت

قاتل چہار سمت ہیں خنجر چہار سمت — تسلیم راستے میں ہیں پتھر چہار سمت

ہمت نہ ہار، حوصلہ رکھ، چال تیز کر

اے میرے ہم سفر، نہیں مشکل ہے یہ سفر

ہے غرق اب بھی جہل کی ظلمت میں اک جہاں — اوہام کا شکار ہے ہر پیر ہر جواں

اب بھی تلاش حق میں بھٹکتا ہے کارواں — علم و عمل کی روشنی گم تونے کی کہاں؟

عالم ہے تو چراغ عمل اپنا گل نہ کر

اے میرے ہم سفر نہیں مشکل ہے یہ سفر

غزل

از ڈاکٹر آفاق فاخری۔

کوئی موسیٰ کہیں بے عصا بھی نہیں — اور دریاؤں میں راستا بھی نہیں

شہر جن کے لہو سے چراغاں ہوا — ان کے گھر کو میسر دیا بھی نہیں

اپنی بے چہرگی دیکھنے کے لیے — اب کسی ہاتھ میں آئینا بھی نہیں

حلقۂ موسم گل میں تیرے بغیر — ذکر باد نسیم و صبا بھی نہیں

ہوگیا تم سے جو کچھ بنام ستم — اس طرح تو کوئی سوچتا بھی نہیں

تم نہ مانو ہمیں یہ الگ بات ہے — اب تو ممکن کوئی معجزہ بھی نہیں

کون کس بات پہ مجھ سے برہم ہے کیوں

مجھ کو آفاق اس کا گلہ بھی نہیں

مطبوعات جدیدہ

امیر شریعت رابع

شایع کردہ امارت شرعیہ بہار، بڑی تقطیع، بہترین کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۵۲۰، قیمت ۱۵۰ روپئے، پتہ: امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کے انتقال کو اب قریباً ۴ سال ہوگئے ہیں، وہ طبقہ علماء میں اپنی بیدار مغزی، دور اندیشی اور مردم شناسی کی صفات کے سبب ممتاز و نمایاں تھے، دینی مدارس اور ملی اداروں میں ان کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا اور ان کی اصابت رائے سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا، امارت شرعیہ ان کی سرگرمیوں کا سب سے روشن باب ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ نے ان کی قیادت میں کئی مہمیں سر کیں، مولانا مرحوم کی یہ متنوع خدمات ان کی ایک جامع و مکمل سوانح حیات کی متقاضی ہیں، زیر نظر کتاب اس کے لیے عمدہ مواد فراہم کرسکتی ہے، اس میں قریباً چالیس اہل قلم کے مضامین یکجا کیے گئے ہیں جو اگرچہ تاثراتی نوعیت کے اور بعض ہلکے پھلکے بھی ہیں تاہم ان سے ان کی شخصیت کے اکثر پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، سوانح کے باب کے علاوہ دو اور ابواب میں صاحب سوانح کے چند اہم مضامین و مکاتیب جمع کردیے گئے ہیں اور ایک باب میں ملک کے مختلف اخبار و رسائل کے تعزیتی مضمون اور خطوط بھی ہیں، ان سے ایک مقالہ نگار کے اس شکوہ کی تلخی کم ہوجاتی ہے کہ "افسوس کہ وہ اپنی زندگی میں پوری طرح پہچانے نہیں گئے"، چند مضامین میں ضمناً دارالعلوم

دیوبند کے بعض افسوسناک معاملات کے متعلق ایسے انکشاف بھی نوک قلم پر آگئے ہیں جو ممکن ہے درست ہوں لیکن اب ان کے ذکر سے کیا فائدہ؟ ایک جگہ لکھا گیا کہ "مکر و فریب کی ساری سنتیں تازہ کردی گئیں" یہ طرز تعبیر ناگوار گزرتا ہے، کتابت میں سہو بھی ہے مثلاً وجعلنا لھم لسان صدق علیا کو نجعلنا لکھ دیا گیا، ایک جگہ بجائے پی اے سی کو پی ایس سی لکھا ہے۔

بہار اردو، گلشن افریقہ میں

از جناب کالی داس رضا گپتا
متوسط تقطیع، بہترین کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۳۲
قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی۔

جناب کالی داس رضا گپتا غالب شناس و ماہر غالبیات کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں، لیکن اصلاً وہ اردو کے عاشق صادق ہیں اور ان کی زندگی اس سے محبت اور اس کی بے لوث خدمت سے عبارت ہے، ان کی جوانی کا بڑا حصہ تلاش معاش کے سلسلہ میں افریقہ کی دشت نوردی میں گزرا، اس دشوار سفر کو آسان کرنے والی ساتھی بقول ان کے "ہمیشہ کی ساتھی جبیں طناز حشر ساماں اردو تھی"۔ گپتا صاحب کی یہ دلچسپ کتاب ان کے قیام افریقہ کی علمی و ادبی یادوں کی ڈائری ہی نہیں ہے بلکہ دراصل افریقہ میں اردو کے فروغ و اشاعت کی تاریخ بھی ہے، اس میں ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب اور باہمی الفت و رواداری کی وہ جھلکیاں ملتی ہیں جن سے آج خود ہندوستان تہی دامن ہوگیا ہے، افریقہ کی ادبی مجلسیں ہوں یا مذہبی مناقشے سب تعصب و تنگ نظری سے پاک ہوتے ہیں، چنانچہ وہاں مسلمانوں اور قادیانیوں کے مناظرہ میں آریہ سماجی ثالث کے فرائض ادا کرتے نظر آتے ہیں۔

اور ان سب کا بیشتر ذریعہ اظہار بھی اردو زبان ہے، بے شبہ یہ فاضل مصنف کا حوصلہ بلند ہے جس نے دشت افریقہ کو گلشن افریقہ بنادیا ہے۔

نقوش تابندہ

از مولانا سید محمد اجتبا ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۳۲۰، قیمت ۷۰ روپے، پتہ: دارہ نوش، اے ۳۰/۱، بٹلہ ہاؤس؟ نیکونہ پارک، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

اسلام کو دین یسر کہا جاتا ہے، عقیدہ و عمل کے متعلق اس کے احکام نہایت واضح آسان اور فطرت کے عین مطابق ہیں، اس کی تعلیمات انسان کو مکارم اخلاق و محاسن عادات سے آراستہ و مزین کرنے کے لیے ہیں، ان تعلیمات کی عملی مثالیں اور نمونے تاریخ اسلام میں بکثرت موجود ہیں جو ہر دور میں انسانیت کی رہنمائی کے لیے شمع فروزاں کے مانند ہیں، اس کتاب میں فاضل مولف نے ایسے ہی چند واقعات کو سلیس اور شگفتہ اسلوب میں بہت موثر و دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے، بجا طور پر اس کا انتساب ان لوگوں کے نام ہے جو آج کی بے چین و پریشان دنیا کو ازسرنو اسلام کے زیر سایہ سکھ چین میں لانے کے لیے کوشاں ہیں۔

ناگپور میں اردو

از جناب ڈاکٹر شرف الدین ساحل، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۰۴، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکاڈمی، ۱۸ ویں منزل، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، بمقابل منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲۔

صوبہ مہاراشٹر میں ودربھ کے علاقہ میں اردو زبان کی تعلیم و تدریس سے شغف و تعلق حوصلہ افزا ہے۔ اس کے مرکزی شہر ناگپور کا شمار گو اردو کے بڑے مراکز میں نہیں ہے۔ لیکن اس شہر نے اردو شعر و ادب کی قابل قدر خدمت کی ہے، زیر نظر کتاب میں لائق مولف نے

اس کی علمی وادبی خدمات کا جامع اور مفصل جائزہ لیا ہے، یہ انکی پی ایچ ڈی کا موضوع بھی تھا اسلیے تلاش وتحقیق میں بھی کمی نہیں ہے، ناگپور میں اردو کی ابتدا، دارتقاء شاعروں اورادیبوں کے حالات اوران کی فنی کاوشوں کے علاوہ وہاں کے اخبارات ورسائل اور تعلیمی اداروں کا بھی احاطہ کیا گیا ہے، اس سے پہلے لائق مولف کی دو کتابیں "تاریخ ناگپور" اور "کامٹی کی ادبی تاریخ" شایع ہو چکی ہیں، یہ کتاب بھی گویا اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اپنے موضوع پر مفید ہے۔

تاریخ خاندیش کے بکھرے اوراق از جناب ڈاکٹر اکبر رحمانی، متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت وطباعت عمدہ، مجلد مع گردپوش، صفحات ۱۳۲، قیمت ۵۰ روپے

پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی، بمبئی، علی گڑھ۔

مرٹھواڑہ اور برار کے علاقہ سے متصل جلگاؤں، دھولیہ اور برہانپور کا علاقہ تاریخ میں ارض خاندیش کے نام سے معروف ہے، یہاں کے سلاطین فاروقی کے شاندار عہد حکومت کے نقوش تاریخ کے صفحات کے علاوہ اس علاقہ کی سرزمین پر اب تک موجود ہیں، فاضل مولف نے اس کتاب میں اسی علاقہ کے ماضی وحال سے واقف کرانے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ خاندیش کی کوئی باقاعدہ اور مکمل تاریخ نہیں ہے تاہم اس میں اس کی قدامت، مختلف حکمرانوں کی مدت حکومت، خصوصاً اورنگ زیب عالمگیر سے اس کے تعلق وغیرہ کے بارے میں معلومات سلیقہ سے جمع کر دیے گئے ہیں، ایک باب میں عالمگیر سے منسوب ایک غیر مستند واقعہ کا محاسبہ بھی کیا گیا ہے، ایک اور باب میں فاروقی سلاطین سے انگریزوں کی حکومت تک خاندیش کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

حرف حرف خواب مرتبہ جناب نسیم بن آسی، متوسط تقطیع بہترین

کاغذ وکتابت وطباعت، مجلد مع خوبصورت گردپوش صفحات ۲۶۳، قیمت ۱۵۰ روپے

پتہ: نسیم بن آسی، فروغ ادب محلہ پتھرا، مغل سرائے، وارانسی۔

جناب امیر اللہ آسی رام نگری پختہ گو اور قادر الکلام شاعر تھے، عرصہ تک انہوں نے افسانہ نگاری کی لیکن بعد میں انکا شمار ان اساتذہ سخن میں ہوا جنھوں نے اصلاح سخن کو باقاعدہ ایک فن کی حیثیت دی، بے شمار شعراء نے ان سے کسب فیض کیا، ان کی شاعری فن کے علاوہ تغزل اور خیالات کی جدت ورفعت کے لحاظ سے بھی نمایاں ہے، زیر نظر کتاب ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام کا مجموعہ ہے اس میں نعت اور غزل اور نظم ورباعی شامل ہیں، ان کے لائق صاحبزادے نے تدوین وترتیب میں خوش سلیقگی کا ثبوت دیا ہے۔

کتابیں ملیں

اسلام میں زکوٰۃ کا نظام از جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی، ۲۸ صفحے، قیمت درج نہیں، پتہ: فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، ۱۶۹ واسرپی، بنگلور ۲۰۔

زکوٰۃ کا مصرف فی سبیل اللہ از جناب مولانا شمس پیرزادہ، ۴۸ صفحے، قیمت ۵ روپے، پتہ: ادارہ دعوۃ القرآن، ۵۹، محمد علی روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۳۔

ماہ رمضان المبارک کے احکام ومسائل از جناب مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، ۳۶ صفحے، پتہ: مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال۔

مسائل تثویب وتکبیر از جناب سید شاہد علی قادری، صفحات ۹۶، قیمت ۴ روپے، پتہ: رضا اکیڈمی لال مسجد رامپور۔ یوپی ۲۴۴۹۰۱۔

تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات

از جناب مولانا محمد منظور نعمانی، ۸۸ صفحے، پتہ : الفرقان بک ڈپو۔ ۳۱۔ نیا گاؤں ویسٹ، لکھنؤ۔

الحسنؓ والحسینؓ

از جناب سید محمد ساجد ندوی، ۸۴ صفحے، قیمت ۳ روپے، پتہ : ادارہ نشر و اشاعت اسلام محمود آباد، سیتاپور۔

چکوالی کے خارجی فتنہ کی اصل حقیقت

از مولانا محمد علی سعید آبادی، ۸۰ صفحے، پتہ : سید بک ایجنسی ۸۴ - اے، فرسٹ فلور، کریم سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، کراچی پاکستان۔

کتاب سبز

از کرنل معمر قذافی، ۸۰ صفحے، قیمت ساڑھے دس روپے، پتہ : الدار العلمیہ، جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی۔ ۶

اسلامی طلبہ تنظیموں کا مطلوبہ ڈھانچہ

از مولانا سلطان احمد اصلاحی، ۳۲ صفحے، قیمت ساڑھے تین روپے، پتہ: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔

آل انڈیا تبلیغ سیرت

از مولانا محمد وارث جمال قادری، صفحات ۶۴، پتہ : آل انڈیا تبلیغ سیرت، بمبئی، مہاراشٹر۔

غ۔ ص۔

تصنیفات علامہ شبلیؒ و علامہ سید سلیمان ندویؒ

علامہ شبلیؒ	قیمت	علامہ سید سلیمان ندویؒ	قیمت
سیرۃ النبیؐ اول	۶۵ــ۰۰	سیرۃ النبیؐ سوم	۱۲۵ــ۰۰
〃 دوم	۵۰ــ۰۰	〃 چہارم	۱۲۵ــ۰۰
الفاروق	۹۵ــ۰۰	〃 پنجم	۶۰ــ۰۰
المامون	۵۰ــ۰۰	〃 ششم	۱۲۵ــ۰۰
الکلام	۵۰ــ۰۰	〃 ہفتم	۳۵ــ۰۰
علم الکلام	۳۵ــ۰۰	خطبات مدراس	۲۵ــ۰۰
اسلام اور مستشرقین چہارم	۴۰ــ۰۰	الرسالۃ المحمدیہ (ترجمہ خطبات مدراس عربی)	۴۰ــ۰۰
شعر العجم اول	۴۰ــ۰۰	رحمت عالم	۱۰ــ۰۰
〃 دوم	۳۵ــ۰۰	تاریخ ارض القرآن دوم	۳۰ــ۰۰
〃 سوم	۲۵ــ۰۰	عرب و ہند کے تعلقات	۷۵ــ۰۰
〃 چہارم	۳۵ــ۰۰	سیرت عائشہؓ	۴۰ــ۰۰
〃 پنجم	۲۵ــ۰۰	حیات شبلیؒ	۹۰ــ۰۰
کلیات شبلی اردو	۲۵ــ۰۰	یاد رفتگاں	۵۰ــ۰۰
مکاتیب شبلی اول	۴۰ــ۰۰	رسالہ اہلسنت والجماعت	۱۰ــ۰۰
〃 〃 دوم	۳۰ــ۰۰	اسلام اور مستشرقین پنجم	۲۵ــ۰۰
مقالات شبلی (مکمل سیٹ)	۲۲۰ــ۰۰	دروس الادب اول	۵ــ۰۰
		دوم	۵ــ۰۰
خطبات شبلی	۲۵ــ۰۰	شذرات سلیمانی	۴۵ــ۰۰
		برید فرنگ	۲۵ــ۰۰
انتخابات شبلی	۲۵ــ۰۰	نقوش سلیمانی	۶۰ــ۰۰
		خیام	۶۵ــ۰۰
....	--	مقالات سلیمان سوم	۴۵ــ۰۰